

لِبْ حَيَافُ

شَقِيقِي سُطْرَالْعَ



دُوْنِ رَضْوَى

اُب حیات تقتیڈی مطلاع

آتے

پروفیسر تید مسعود حسن رضوی ادیسٹ امر۔ لے
KRAM
صدر شعبہ فارسی ملک دہلو، لکھنؤ یونیورسٹی

کتابخانہ

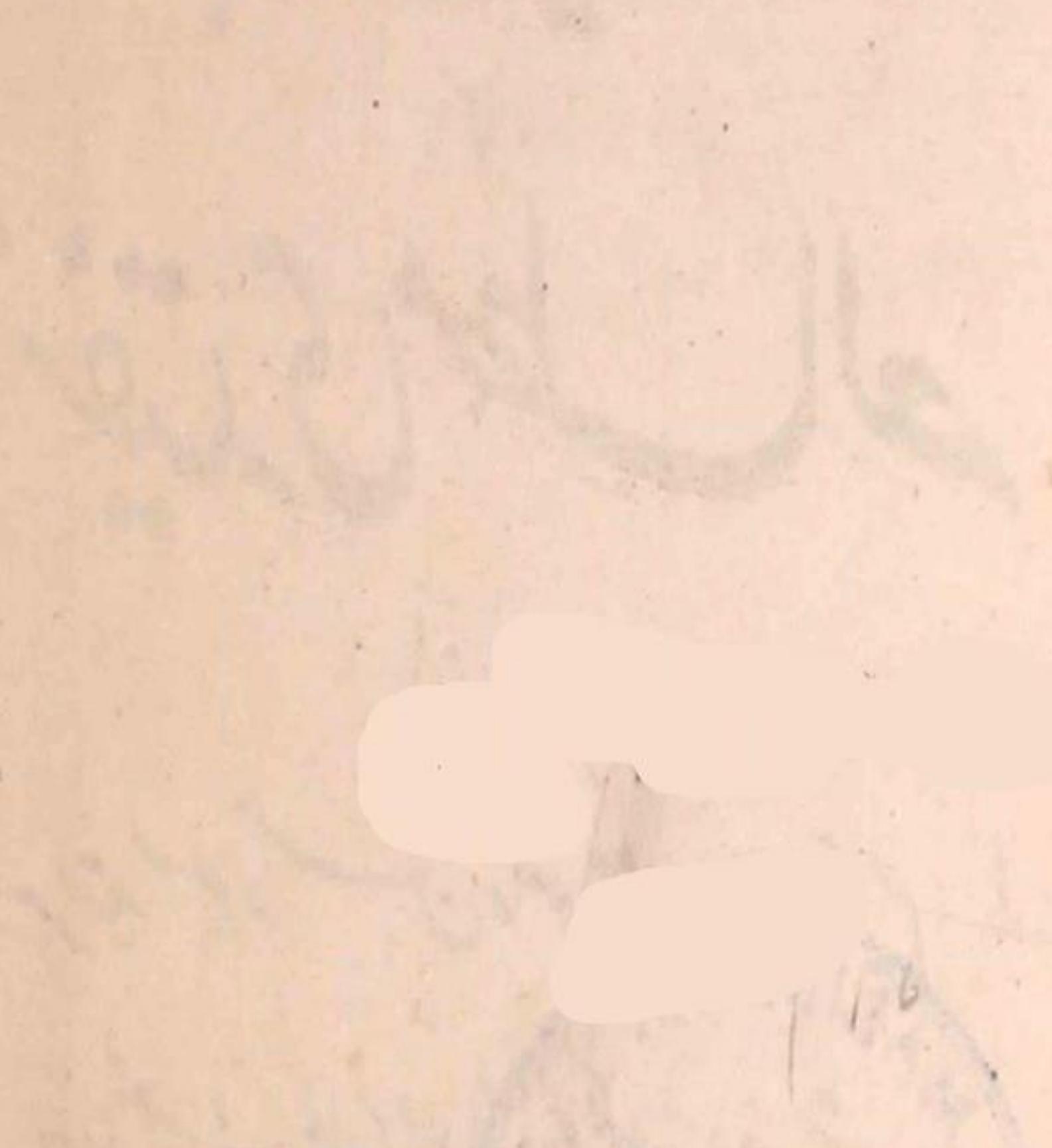
دین دیال روڈ۔ لکھنؤ

۱۹۵۳ء

قیمت ۰۰

باداول ۱۰۰۰

کتابی ڈبیا۔ لکھنؤ



اسرا رکھی پر میں جانزین گنج کنچ۔ اے آباد

مضمونوں کی فہرست

1905 - 1913

صفحہ	مضمون	صفحہ	مضمون
۲۰	آزاد کے کوتاہ نظر نکتہ چین	۹	آزاد ایک کامل ادیب
۲۲	آزاد کی نقیص کے ذمہ دار	۹	آبجیات کی مقبولیت
۲۳	دلی اور دد کا پہلا شاعر	۱۰	تذکرہ کی خامیاں
۲۸	میرزا منظہر کی حسن پسندی	۱۱	آبجیات بے نظر تذکرہ
۳۳	میرے دالد کا نام	۱۲	پانے شاعر دن کوئی زندگی
۳۸	میر کی نازک مزاجی اور بے دماغی	۱۳	آبجیات کے مقابلہ
۴۵	میرا درخان آرزو	"	آبجیات کے ادبیات
۴۸	میر کا داد دینے میں بخل	۱۹	آبجیات کی بردقت تصنیف

صفحہ	مضمون	صفحہ	مضمون
۶۹	ذوق اور طفہ سر	۳۹	دلی اور شیطان
۷۲	آبجیات کے ماغہ	۵۰	میر کی بدگوئی
۸۰	آزاد کے ساتھ بے الفاظی	۵۱	میرزا منظر کا نام
۸۲	آبجیات کا اسلوب	۵۲	آزاد کے تیاسی طوٹے مینا
۸۳	آبجیات کا خاتمه	۵۸	سید انشا کا جون
۹۰	آزاد کی کامیابی	۵۹	ذوق اور غالب

ماخذوں کی فہرست

اس رملے میں جن کتابوں کے حوالے دیے
گئے ہیں ان کے نام ضرور می تفصیلوں کے ساتھ ذیل
میں درج کیے جاتے ہیں :-

۱۔ مقدمہ فیض میر۔ اذید مسعود حسن رضوی

طبعی پریس لکھنؤ، ۱۹۲۹ء

۲۔ نگوٹک سردے آف انڈ یا جلنہ سیم حصہ اول

از گریسن۔

۳۔ گلزارِ عشق۔ دیباچہ اذ محمد باتسے آگاہ۔

۴۔ داستان تاریخ اردو۔ اذ حامد حسن قادری

آگرہ برٹی پریس۔ آگرہ ۱۹۳۱ء۔

۵۔ تذکرہ شری۔ اذ قدرت اللہ قادری۔

۶۔ مقامات منظری۔ اذ شاہ عبید اللہ صرفت پر

فلام علی۔ مطبع مجتبائی دہلی۔ ۱۸۹۲ء۔

۷۔ مسوالت مطہری۔ از شاہ نعیم اللہ مطبعہ نظامی

کا پور۔ ۱۳۷۵ھ۔

۸۔ عقد ثریا۔ از شیخ بصفحی۔ جامعہ بر قی پریس

دہلی۔ ۱۹۳۸ء۔

۹۔ تذکرہ ہندی۔ از شیخ بصفحی جامعہ بر قی پریس

دہلی۔ ۱۹۳۳ء۔

۱۰۔ گاشن بے فار۔ از مصطفیٰ خاں شیفۃ مطبع

لکھنؤ۔ ۱۸۷۲ء۔

۱۱۔ گاشن ہند۔ از مرزا علی لطف۔ رفاه عام

اسٹیم پریس لاہور۔ ۱۹۰۶ء۔

۱۲۔ طبقات شعراء ہند۔ از مولوی کرم الدین ۱۸۷۷ء

۱۳۔ خوش سرکار زیبا۔ از سعادت خان ناصر علمی کتب خانہ

لکھنؤ یونیورسٹی۔ لکھنؤ۔

۱۴۔ ذکر سیر۔ از سیر ترقی میرا نجمن اردو پریس ادرنگ آباد

(دکن) ۱۹۲۸ء۔

۱۵۔ مقدمہ ذکر سیر۔ از مولوی عبد الحق۔

یہ الگ انداز
نہیں)

- ۱۶- نکات اشرا از میر تقی تیر نظم امی پریس۔ مدالوں
- ۱۷- مقدمہ نکات اشرا۔ از مولوی جبیب الرحمن خان شردانی۔ (ب) بھی امداد کا بہ
- ۱۸- مجموع نظر از حکیم قدرت اللہ قاسم کریمی پریس
لارہور۔ ۱۹۳۳ء۔
- ۱۹- دیباچہ مجموع نظر۔ از محمود خاں شیردانی
- ۲۰- دستور الفصاحت۔ از احمد علی یکٹا۔ ہندوستانی پریس
رام پور۔ ۱۹۳۳ء۔
- ۲۱- دیباچہ دستور الفصاحت۔ از مولوی امتیاز علی عرشی۔ (العلیا)
- ۲۲- تذکرہ شمرا۔ از میرین انسی ٹیوٹ پریس علیگढہ ۱۹۲۲ء
- ۲۳- سرد آزاد۔ از علام علی آزاد بلگران مطبوع رفاه عام
لارہور ۱۹۱۳ء۔
- ۲۴- انشا۔ از فرحت اللہ بیگ جید برقی پریس دہلی ۱۹۳۵ء
- ۲۵- بہترنی غزل گو۔ از قاضی علام امیر امیر میر بایوی
اناظر پریس۔ لکھنؤ۔
- ۲۶- ذوق سے نا انصافی۔ از پنڈت جوش ملیانی آجکل دہلی
۱۵ اکتوبر ۱۹۳۵ء۔

۲۷- دیباچہ دیوان ذوق۔ از آور دہوی۔ مطبع احمدی
دہلی۔ ۱۹۲۹ء۔

۲۸- نیرنگ خیال حصہ اول۔ از پروفیسر آزاد دھلوی
کریمی پسیں۔ لاہور ۱۹۲۲ء۔

۲۹- کلیات حضرت مولانی۔ انتظامی پسیں حیدر آباد (دنکن) ۱۹۳۳ء۔

۳۰- دیباچہ دیوان فارسی۔ از مرزا نظیر سر دہوی قلمی د
مطبعہ مطبع کاشی رام لاہور۔

۳۱- اینج نظم و شرائدو۔ از آغا محمد باقر طبع دوم
برائج کوآ پر ٹھوکیٹیل پسیں لاہور، ۱۹۳۸ء۔

۳۲- مدراس میں اردو۔ از نصیر الدین ہاشمی۔ مکتبہ
ابدیہ میسیہ شیعہ پسیں حیدر آباد (دنکن) ۱۹۳۸ء۔

۳۳- ان نظر لکھضو۔ جنوری ۱۹۲۶ء۔

۷
شمس الصلوی محسین آزاد عربی دفاری کے
آزاد ایک کامل ادیب | جید عالم تھے، سنکرت اور بھاشا سے بھی
واقت تھے، انگریزی شاعری کے رنگ اور انگریزی نثری کے
اسلوب کو خوب سمجھتے تھے۔ مانیات کے ذوق پر ان کی تصنیف
سخنداں فارس شاہ ہے اور ادبی تحقیق کے ذوق پر آب حیات
گواہ ہے۔ اس طرح ان میں وہ تمام اوصاف جمیع سمجھتے جو اردو کے
کسی ادیب کی کامیابی کے ضامن ہو سکتے ہیں۔ انہوں نے اردو
کے شعر دادب کا جائزہ لے کر ہم بتایا کہ اس میں کیا کیا خامیاں
ہیں اور کن کن چیزوں کی کمی ہے، اور خود ساری عمران خامیوں کو
ددرا در ان کیوں کو پورا کرنے میں صرف رہے۔

آب حیات کی مقبولیت | بہت سی کتابیں حضرت آزاد کی تصنیف
سے ہیں، مگر جن کتابوں نے اپنے معنف

کا نام اور اردو ادب کا مرتبہ بلند کر دیا وہ چار ہیں۔ آب حیات بخدا ن
فارس، دربار اکبری، نیرنگ خیال۔ یہ گوایا چارستون ہیں کہ حضرت آزاد
کی شہرت کا قصر فیض انھیں پر قائم ہے۔ ان میں بھی جو شہرت آب
حیات کو حاصل ہے، وہ کسی دوسری کتاب کو میر نہیں۔ اردو شاعر
کے بیسوں تذکرے موجود ہیں۔ اُن کے علاوہ اور بھی بہت سی کتابیں
شعر و ادب کے متعلق لکھی گئی ہیں۔ لیکن اردو کی ادبی کتابوں میں جتنے
حوالے آب حیات کے ملتے ہیں۔ اُن کے نصف بھی شاید کسی دوسری
کتاب کے نہیں ملتے۔ اردو زبان یا اردو شاعری کی ابتداء اور
نہ کذب۔ ارتقا کے متعلق جب کوئی کچھ لکھنا پا ہتا ہے تو اُس کے لیے آب
حیات کا مطالعہ ناگزیر ہوتا ہے۔

تذکرہ دل کی خامیاں | حیات سے پہلے لکھے جائے تھے۔ مگر
ب سے پہلے اسی کتاب نے اُن کی خامیوں کی طرف توجہ دلائی
آزاد آب حیات کے دیباچے میں ان تذکرہ دل کے متعلق لکھتے

میں :-

اُن سے کسی شاعر کی زندگی کی سرگزشت کا حال معلوم
ہوتا ہے، نہ اُس کی طبیعت اور عادات و اطوار کا حال

کھلتا ہے، نہ اُس سے کلام کی خوبی اور صحت و سفرم کی کیفیت کھلتی ہے، نہ یہ علوم ہوتا ہے کہ اُس کے معاصروں میں اور اُس کے کلام میں کی نسبت کھتی۔ انتہا یہ ہے کہ سالِ ولادت اور سالِ فوت تک بھی نہیں کھلتا۔“

زیادہ تر تذکرہ دن میں شاعر دل کے حالات بے حد مختصر ہیں اور ان میں صرف اتنی ترتیب محفوظ رکھی گئی ہے کہ شاعر دل کے خلاصوں کے ابتداءی حروف کا اعتبار کر کے حروفِ لہجی کے سخت میں ترتیب وارجع کر دیا ہے۔ بعض تذکرہ نویسونے کل شعر کو تین طبقوں میں تقسیم کر دیا ہے، یعنی متقد میں، متوسطین اور متاخرین اور ہر طبقے کے شعرا کو پھر اُسی طرح حروفِ لہجی کے اعتبار سے کم جا کر دیا ہے۔

آب حیات بے نظر تذکرہ تذکرہ ہے، جس میں مصنف نے اپنے دل کل شاعری پر نظر کر کے اُس کو کئی عہد دل میں تقسیم کیا ہے اور ہر عہد کی زبان اور شاعری کے خصوصیات بیان کرنے کے بعد اُس عہد کے نامی شاعر دل کا حال اس تفصیل اور اس خوبی سے لکھا ہے کہ اُن کی چلتی پھرتی، بولتی چالتی تصویریں کتاب پڑھنے والوں کے سامنے

آجائی ہیں اور سانحہ ہی وہ زمانہ اور وہ ما حول بھی نظر دل میں پھر جاتا ہے جس میں اُن کی شاعری نے نشوونما پائی تھی۔ آب حیات کی بھی وہ حرمت انگریز خصوصیت ہے، جس میں کوئی کتاب اس کی شرکیک نہیں۔

پڑانے شاعروں کو نئی زندگی | اس میں کوئی شبہ نہیں کہ اُردو واقفیت ہے اور ان سے ہم کو جو دلی تعلق ہے، وہ آب حیات ہی کے طفیل میں ہے۔ اگر یہ کتاب نہ ہوتی، تو نہ میرے سے ہم کو یہ عقیدت ہوتی نہ سوادا کی ہماری نظر میں یہ وقعت ہوتی۔ میرا اور سوادا کے دلوں تو خیر چھپے ہوئے موجود ہیں، اس لئے مکن تھا کہ کبھی کوئی صحیح المذاق اپنے ذاتی مطالعے کی بتا پڑا لگا لوں کے مرتبہ شاعری کا کسی قدر اندازہ کر لیتا۔ مگر حاتم، منظر، قائم، جماعت، نجین، صاحک اور اسی طرح کے بہت سے شاعروں کا تو شاید کوئی نام بھی نہ لیتا۔ اب جو انکا نام ہر اُردو دان کی زبان پر ہے، تو یہ آب حیات ہی کی بدولت ہے۔ حضرت آزاد نے بالکل سچ کہا ہے کہ:-

”سوادا اور میرا غیرہ بزرگان سلف کی جو غلط ہمایے دلوں میں ہے، وہ آج کل کے دو گوں کے دلوں میں نہیں۔“ بعیب

پوچھئے، تو جواب فقط یہی ہے کہ جس طرح اُن کے کلاموں
کو اُن کے حالات اور وقتوں کے داردات نے خلعت اور
لباس بن کر ہمارے سامنے جلوہ دیا ہے، اُس سے ارباب نہ
کے دیدہ و دل بے خبر ہیں اور حق پوچھو تو انھیں اوصاف
سے سواد اسودا اور میر تقی میر صاحب ہیں؟”

آب حیات نے اُردد کے قدیم شاعروں سے عام دچپی پیدا کر کے
لوگوں میں ادبی تحقیق کا شوق اور اُردد و شعرو ادب کی تاریخ لکھنے کا
خیال پیدا کر دیا اور شاعروں کے حالات کے ساتھ اُن کے زمانے
اوہ ماحدل کی تصویر کشی کی ضرورت محسوس کر دادی۔

آب حیات کے مقلد آب حیات نے تذکرہ نویسی کی بھی ایک
جلوہ خپڑا در حکیم عبد الحسین کا تذکرہ گل رعناد یکھئے۔ دونوں پر آب حیات
کا پر توصاف نظر آئے گا۔ خواجه عبد الرؤوف عشرت کے تذکرے
آب بقا کا قนาม، ہی بتا رہا ہے کہ اُس پر آب حیات کا تکنا اثر ہے
آب حیات کے اولیات ^(۱) پہلے پہل پیش کی اور ہم کو سانی تحقیق

کا راستہ دکھایا۔ اگرچہ آب حیات کے بعد کئی کتابوں میں اس مضمون سے بحث کی گئی، لیکن آب حیات کا طرز بحث اب بھی بعض جیشیوں سے پہ نظریہ ہے۔

(۲) اُردد زبان نے فارسی انشا پردازی سے جو فائدے اٹھائے، اُن کا اعتراف کرتے ہوئے اُن نقصانات کی طرف آب حیات، ہی نے ہمیں بب سے پہلے توجہ دلائی، جو فارسی کی زنگین اور تجھیلی انشا پردازی کی تقلید سے اُردو کو پہنچے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ اُردد نشر جو استعارے اور مبالغہ کی کثرت سے بچنے ہوئی تھی، اس میں سادگی اور اصیلیت کی خوبیاں پیدا کرنا بہت کچھ آب حیات کا کام ہے۔ اس کتاب نے ایک طرف فارسی کی پُر تکلف انشا پردازی کا بھاشاہ کے سادہ، فطری اور پُر زور انداز بیان سے مقابلہ کر کے اُردد نشر کی اصلاح کی ضرورت سمجھائی اور دوسری طرف ان دونوں کو سموکر انشا پردازی کا ایک نیا اور بے نظر طرز پیش کر دیا۔ یہ اصولی اور علی تعليم بہت مفید ثابت ہوئی۔ لوگوں نے آب حیات کے بتائے اُصول کو پیش نظر رکھا اور آب حیات کے اسلوب بیان کو اپنے لیے نمونہ بنایا۔ اُردو کے بہت سے شاردوں کے بیان آب حیات کا اثر صاف نظر آتا ہے۔

(۳) اُردو شرکی طرح اُردو شاعری کی اصلاح میں بھی آب حیات کا بھی کچھ حصہ ہے۔ اُردو شاعری، خاص کر اُردو غزل، کے نتالص کی طرف سب سے پہلے آنذاہ ہی نے توجہ دلانی۔ آب حیات کا ایک اقتباس ملاحظہ ہو۔

”اٹھار قابل افسوس ہے کہ ہماری شاعری چند مہمی مطاب
کے پھنڈوں میں کھپس گئی ہے۔ یعنی مضافاً میں عاشقانہ،
سیخواری ستانہ، بے گل دگزارد ہمی رنگ و بو کا پیدا کرنا،
ہجر کی مصیبت کا رونا، دصل مو ہوم پر خوش ہونا، دینا
سے بیزاری، اسی میں فاکر کی جفا کاری۔ اور غضب یہ
ہے کہ اگر کوئی ہل ماجرا بیان کرنا چاہتے ہیں، تو یہی
خیال استغفاروں میں ادا کرتے ہیں۔ نتیجہ جس کا یہ کہ
کچھ نہیں کر سکتے ہیں۔“

اس سلسلہ میں ایک اقتباس اور پیش کیا جاتا ہے:-
”اُردداؤں نے بھی آسان کام کچھ کر اور عوام پندی کو
غرض ٹھہرا کر حسن و عشق دغیرہ کے مضافاً میں کو لیا اور اسیں
کچھ شک نہیں کہ جو کچھ کیا بہت خوب کیا۔ لیکن وہ مضمون
اس قدر مستعمل ہو گئے کہ نتے نتے کان تھک گئے۔ وہی

مقرری باتیں ہیں، کیسیں ہم لفظوں کو پس دپٹ کرتے ہیں
کیسیں ادل بدل کرتے ہیں اور کہے جاتے ہیں۔ گویا کھائے
ہوئے بلکہ ادموں کے چبائے ہوئے نہ اے ہیں انھیں کو
چھاتے ہیں اور خوش ہوتے ہیں۔ خیال کر دا اس میں کیا مزا
رہا۔ حسن و عشق، سبحان اللہ! بہت خوب! لیکن تاپ کے؟
حود ہو یا پری، گلے کا ہار ہو چائے، تو اجیرن ہو جاتی ہے：“
کچھ دنوں سے اُردو غزل گوئی کے خلاف جو آزادیں بند کی چارہ ہی
ہیں، وہ آزاد کے انھیں بیانوں کی صدائے بازگشت ہیں۔

(۲) اسی طرح اُردو کے ادبیوں میں سب سے پہلے آزاد ہی
نے اس بات کی طرف توجہ دلائی کہ شاعری کو محض تفریح طبع کا ذریعہ
نہیں بنانا چاہئے۔ بلکہ اس سے سماجی اور سیاسی نظام کی اصلاح یا تبدیلی
کا کام بھی لینا چاہئے۔ وہی کے کلام کی مقبولیت اور اُس کی تقلید
میں اُردو شاعری کے روایج کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں بہ

”اگرچہ اس اعتبار سے یہ نہایت خوشی کا موقع ہے کہ عمدہ
جو ہر انسانیت پسندیدہ بیاس پس کر ہماری زبان میں آیا
مگر اس کو تاہی کا فوس ہے کہ کوئی ملکی فائدہ اس سے نہ ہو۔“

اور اس کی یہ وجہ ہے کہ وہ کسی علمی یا آئینی راستے سے نہیں آیا، بلکہ فقیرانہ شوق یا تفریح کی ہوائے ماؤ کر آگیا تھا۔ کاش خاہنامے کے ڈھنگ سے آتا، کہ محمد شاہی عیاشی اور عیش پرستی کا خون بیاتا اور اہل ملک کو پھر تیموری اور بابری میدانوں میں لادلات یا تہذیب و تسلیم کے اکبری عہد کو پھر زندہ کر دیتا۔“

(۵) آب حیات ایک طرف اردو شاعری کے ارتقا کی تابیخ پیش کرتی ہے، تو دوسری طرف ہماری سوسائٹی، بالخصوص اُس کے علمی دادبی پبلو، کا ایسا سکھل نقشہ دکھاتی ہے، جس کی نظیر کوئی دوسری تصنیف پیش نہیں کر سکتی۔ حضرت آزاد جس وقت اُردو زبان اور شاعری کے مختلف ارتقاوی دور دوں پر نظر کر رہے تھے، اور ہر دو دو کے ممتاز شعرا کے حالات لکھ رہے تھے، اُس وقت جو سماں اُن کے پیش نظر تھا، اُس کا بیان انھیں کی زبان سے سنئے :

اس زبان کے رنگ میں اُن کی رفتار، گفتار، ادبیات، ادبیات
بلکہ اُس زمانے کے چال چلن پیش نظر تھے، جس میں انھوں نے
زندگی بسر کی اور کیا سبب ہوتے کہ اس طرح بسر کی۔ اُن کے

جلسوں کے ماجرے اور حریفوں کے دہ معرکے جہاں
 طبیعتوں نے تکلف کے پردے اٹھا کر اپنے اصلی جوہر کھا
 دئے، اُن کے دلوں کی آزادیاں، دقوں کی مجبوریاں، مزاجوں
 کی شو خیاں، طبیعتوں کی تیزیاں، کہیں گرمیاں، کہیں نیلیں
 کچھ خوش مراجیاں، کچھ بے دماغیاں، غرض یہ سب باتیں
 میری آنکھوں میں اس طرح عبرت کا سرہ دیتی تھیں گویا۔
 دہی زمانہ اور دہی اہل زمانہ موجود ہیں۔“

حضرت آناد نے اس سماں کی تصویر لفظوں میں اس طرح کھینچ دی
 ہے کہ دہی زمانہ اور دہی اہل زمانہ ہماری نگاہوں کے سامنے آجوجہ
 ہوتے ہیں۔ ہم جس عمد کا حال پڑھتے ہیں، اُس عمد میں پہنچ جاتے ہیں
 اُس کے مشارعوں اور دوسری ادبی صحبتوں میں شرکت کرتے ہیں۔ اُس
 عمد کے متاز شاعروں کو چلتے پھرتے، ہنسنے بولنے دیکھتے ہیں، اُن کی
 زبان سمجھتے ہیں۔ اُن سے باتیں کرتے ہیں، اُن کا مزاج پہچان لیتے ہیں
 اُن کی خوشی اور غم میں شرکیں ہو جاتے ہیں۔ تصویر کشی اور انشا پڑا زی
 کایہ کمال اردو کے کسی اور مصنف کو بھی نصیب ہوا ہے؟ سرزا
فرحت اللہ بیگ کے دو تین مضمون یعنی ڈاکٹر ندیہ احمد کی کسانی

مردی دحید الدین سلیمان پانی پتی، ۱۲۶۱ھ کا اکیل شاعر، اسی طرز کے ہیں۔ کچھ عجیب نہیں کہ مرزا صاحب نے یہ طرز آب حیات ہی سے سیکھا ہے۔

آب حیات کی بُرُقت لتصنیف | گئی، وہ اس نوعیت کی کتاب کی تالیف کا آخری موقع تھا۔ حضرت آزاد نے اس حقیقت کو سمجھ کر اس موقع سے ایسا فائدہ اٹھایا جو انہیں کا ساجامع صفات حصہ اٹھا سکتا تھا۔ اگر وہ موقع نکل جاتا تو پھر ایسی کتاب کبھی وجود میں نہ آ سکتی۔ اس سلسلہ میں خود حضرت آزاد فرماتے ہیں :-

”چونکہ میں نے، بلکہ میری زبان نے، ایسے ہی اشخاص کی خدمتوں میں پر درش پائی تھی، اس لیے ان خیالات میں دل کی گفتگی کا ایک عالم تھا، جس کی کیفیت کو کسی بیان کی طاقت اور قلم کی زبان ادا نہیں کر سکتی۔ لیکن ساتھ ہی افسوس آیا کہ جن جو ہر یوں کے ذریعے سے یہ جواہرات مجھے کاپ پہنچے، وہ تو خاک میں مل گئے۔ جو لوگ باتی ہیں، وہ مجھے چاغنوں کی طرح ایسے دیرانوں میں پڑے ہیں کہ اُن کے روشن کرنے کی یا اُن سے روشنی

لینے کی کسی کو پردا نہیں۔ پس یہ باتیں کو حقیقت میراثات
ان کے جو ہر کمالات کے ہیں، اگر اسی طرح زبانوں کے حوالے ہیں،
تو چند دن میں صفحہ ہستی سے مت جائیں گی۔ اور حقیقت میں
یہ حالات نہ میں گے، بلکہ بزرگانِ موصوف دنیا میں فقط نام
کے شاعرہ جائیں گے، جن کے ساتھ کوئی بیان نہ ہو گا، جو ہمارے
بعد آنے والوں کے دلوں پر تیقین کا اثر پیدا کر سکے۔ ہر خپڑے
کلامِ اُن کے کمال کی یادگار موجود ہیں، مگر فقط دیوانِ جو
بکتے پھرتے ہیں، بغیر اُن کے تفصیلی حالات کے اس مقصود کا
حق پورا پورا نہیں ادا کر سکتے۔ نہ اُس زمانے کے عالم اس
زمانے میں دکھا سکتے ہیں۔ اور یہ نہ ہوا تو کچھ بھی نہ ہوا۔
حضرت آزاد نے یہ کتاب لکھ کر، ہماری معاشرتی اور ادبی تاریخ
کے نہایت اہم پیلوؤں کو اپنی گناہی سے بچایا۔ ہم ان کے اس
ان سے بھی سبکدوش نہیں ہو سکتے۔

آزاد کے کوتاہ نظر نکتہ چیزیں | میر تقیٰ میر کے رسالے فیض میر کا
مقدمہ جو راقم الحروف نے لکھا ہے۔
اس کو کچھ عبارت جو آب حیات سے متعلق ہے یہاں نقل کی جاتی ہے۔

"حضرت آزاد نے آب حیات میں معلومات کا دہ انبار لگادیا ہے، جو تنگ نگاہوں میں سامنیں سکتا اہوں کی تحقیق کی وسعت اور جامیعت کا یقین کرنے سے زیادہ آسان یہ معلوم ہونے لگا ہے کہ اُن کے اکثر بیانوں کا من گڑھت انسانوں میں شمار کر لیا جائے۔ کوتاہ نظری ادم تنگ نظری نے ایک ایسی جماعت پیدا کر دی ہے، جس نے آزاد پر جا بے جا اعتراض کر دنیا اپنی دفعہ میں داخل کر لیا ہے۔ لیکن دور میں نگاہ میں دیکھتی ہیں کہ یہ حالت بہت دونوں تک قائم رہنے والی نہیں ہے۔ ادبی تحقیق کا ذوق اب ہمارے دلوں میں گھر کر رہا ہے، اور اپنے ادبی دفینوں کی تلاش میں خاک چھانٹنے کی رہن پیدا ہو چلی ہے۔ یہ ذوق زرا اور بخوبی اور یہ رہن کچھ اور پتی ہو لے اور تحقیق کے راستے کی مصیبتوں اور خطروں کا احساس عام طور پر ہونے لگے، تو یہ عارضی آزاد بزرگی بے شکر آزاد پرستی میں تبلی ہو جائے گی۔ اس ذوق بھی ادبی تحقیق میں آزاد ہی کو یہ مرتبہ حاصل ہے، کہ اُن سے اختلاف کرنا بحق ہونے کی سند سمجھا جاتا ہے۔ آزاد کے خلاف جو بد طنزی بھیں رہی اور پھیلائی جا رہی ہے اس کا نتیجہ یہ ہے کہ جہاں آب حیات میں کسی ایسی چیز کا ذکر دیکھا، جو ہماری درس

سے دور یا ہمارے علم سے باہر ہے، اُس کو آزاد کا گردھا ہوا
انسان سمجھ لیا۔ آزاد کی تحقیق میں غلطیاں ممکن ہیں اور کسی محقق
کو غلطیوں سے مفر نہیں، لیکن جو لوگ تحقیق کی غلطی اور ان کے
کی تصنیف کا فرق سمجھتے ہیں، ان کی نظر میں آزاد محقق ہی
لُھرتے ہیں۔ یہ دوسری بات ہے کہ آزاد تحقیق کو انسانے
سے زیادہ دلچسپ بنائے کرے ہیں۔ انش پر دانہ می کا یہ کمال اگر
کسی اد کے حصے میں نہ آیا ہو تو آزاد سے نہیں فطرت سے
راٹنا چاہئے ॥

آب حیات کی غیر معمولی ثہرت اور مقبولیت کا بعض طبیعتوں پر
عجیب اثر پڑا۔ وہ آب حیات میں غلطیاں نکالنے اور کتاب کو غیر مندرجہ
ثابت کرنے کی کوشش کرنے لگے۔ اگرچہ اس سلسلہ میں بہت سے بے بنیاد
اعتراض کیے گئے، جنہوں نے اعتراض کرنے والوں کی ناداقیت اور
کوتاه نظری کی قلعی کھول دی، مگر کچھ مفید کام بھی ہو گیا۔

آزاد کی تحقیص کے ذمہ دار ہم نے ابھی کہا ہے کہ کسی محقق کو غلطیوں
بھی غلطیاں ہیں، مگر وہ غلطیاں بھی ایسی ہیں جیسی ایک محقق ہی سے

ہو سکتی ہیں اور جن کی بنا تحقیق ہی پر ہے۔ تحقیق میں غلطی ہو جانا اور چیز ہے اور بلا تحقیق کچھ لکھ مارنا اور چیز ہے۔ ان ناگزیر غلطیوں کی بنا پر کسی کتاب کو کلیتہ پایا اعتبار سے ساقط کر دینا اور اُس کے صنف کی عرق ریزیوں اور جانفشا نیوں پر پانی پھیر دینا بے دردی بھی ہے اور جہالت بھی۔ بعض ذی علم اور نام پر آور دہ بزرگوں کی غیر تحقیقی تحریر دل اور غیر محتاط رایوں سے تاثر ہو کر ایسے ایسے نو خیز لکھنے والے، جو علمی استعداد اور معلومات کی وسعت کے اعتبار سے آزاد کی خاک پا کو بھی نہیں پہنچتے، اس محقق علام کے منہ آنے لگے اور اُس پر اعتراض کر کے گذا�ا چاہر پر فاک ڈالنے لگے۔ ان سب اعتراضوں کا جائزہ لیا جائے، تو آب حیات سے زیادہ ضخیم کتاب تیار ہو جائے۔ اس لیے آئیے شال کے طور پر چند اعتراضوں کو لیں اور دیکھیں کہ آزاد کے جن بیانوں سے وہ متعلق ہیں، وہ تحقیق پر مبنی ہیں یا نہیں۔

ولی اردو کا پہلا شاعر | اردو کی نسل کا آدم "اور ایک جگہ "نظم" بھی نوع شعر کا آدم" کہا ہے۔ یعنی اُن کو اردو کا پہلا شاعر مانا ہے اور سب شاعروں کو اُن کی اولاد معنوی ترارد دیا ہے۔ مفترض

کہتے ہیں کہ دلی سے پہلے دکن میں بہت سے اُردو کے شاعر گزر چکے تھے۔ آزاد ان سے ماقبل نہ تھے۔ اس یہے یہ غلط نظر یہ قائم کر لیا۔ مگر حقیقت یہ ہے کہ آزاد نے دکھنی یا رنجتہ یا اُردو کا فرق نظر میں رکھ کر دلی کو اُردو کا پہلا شاعر قرار دیا ہے، دکنی کا نہیں۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ دلی ہی کے اثر سے اُردو شاعروں کا وہ سلسلہ شروع ہوا جو آج تک جاہی ہے۔ لسانیات کا مشہور عالم اور ہندستان کی زبان کا زبردست ماہر، ڈاکٹر گریس، بھی دلی کو بیانے رنجتہ، اور شماں ہند کے اُردو شاعروں کو اُس کا مقلد کرتا ہے، اُس کے الفاظ یہ ہیں:-

"It was in the' Deccan that Hindostani, under the form of Urdu, first received cultivation, and it was at the hands of Wali of Autangabad, the father of Rekhta, that a standard of literary form was given to it. Wali's example was followed at Delhi, and from thence the poetical literature of Urdu spread over Northern India."

محمد باقر آگاہ دکن کے ایک مشہور عالم، زبردست مصنف اور نامور شاعر میر اور سودا کے، ہم عصر تھے۔ ان کی شنوی گلزار عشق جو ۱۲۱۴ھ

کی تصنیف ہے۔ اُس کے دیباچے سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ سوادا کو ”قصائدِ غزل“ میں بڑا سُنْ تراش و صاحب تلاش“ سمجھتے تھے۔ اور مخادر شستہ و صاف میں یگانہ زمانہ“ لانتے تھے مگر نظرتی دکھنی تو فہیدے اور مشنوی تھے۔ صرف سوادا سے بہتر بلکہ اساتذہ ایمان کا ہمار سمجھتے تھے۔ وہ دکھنی اور اُردد و دنوں میں مہارت رکھتے تھے۔ ان کا دعویٰ ہے :-

ہے دکھنی میں مجھ کو مہارت تی کے النصر منکم کے نظرتی
گر اُردد کے بجا شایں کھوئے باں تو سوادا کا سب سواد ہوئے زیان
آگاہ اپنی اس مشنوی کی زبان کے متعلق کہتے ہیں کہ ”میں نے“ زبان
قدم دکھنی“ کو چھپ کر ”محادرہ صاف و شستہ کو کہ قریب روزمرہ
اُردد کے ہے اختیار کیا۔“ اس دیباچے کا ایک لکھا اغیر ضروری
فقرے حذف کر کے یہاں نقل کیا جاتا ہے :-

”اکثر جاہلان بے معنی..... زبان دکھنی پر اعتراض.....

کرتے ہیں اور جمل مرکب سے نہیں جانتے کہ جب تک یادت

سلاطین دکن کی قائم تھی، زبان اُن کی درمیان اُن کے

خوب رائج اور طعن دشمنات سے سالم تھی، اکثر شہزادیاں

کے مثل نہ تھی دفراتی، شوتی، خوشبود، عوامی، ذوقی، ہاشمی

شغل، بھرتی، نصرتی، متاب وغیرہم کے بے حساب ہیں۔
 اپنی زبان میں قصائد و غزلیات و مثنویات و مقطعات نظم
 کیے اور داد سخنوری کا دیے..... جب شاہنہند اس
 گلزار جنت نظیر کو تسبیح کیے طرز درود نمرہ دکھتی نبیح محادرہ
 ہندی سے تبدیلی پانے لگے..... ہندستان میں مدت
 لگانے زبان ہندی راؤ سے برج بھاشا بدلتے ہیں رد اج
 رکھتی رکھتی پیچھے محادرہ برج میں الفاظ عربی و
 فارسی بتہ تبح داخل ہونے لگے سبب سے اس
 آئینہ کے یہ زبان ریختہ سے مکمل ہوئی دی گجراتی
 خرول ریختہ کی ایجاد میں بھوں کا مقتدا اور استاد ہے۔
 بعد اُس کے جو سخن سنجان ہندہ بر دز کیے، بے شبهہ اس
 شیخ کو اسی سے لیے اور من بعد اس کو یہ اسلوب خاص
 مخصوص کر دیے اور اُسے اُردہ کے بھاکے سے موسوم
 کیے۔ اب یہ محادرہ معتبر شہر دیں میں ہند کے جیسا شاہ
 جہاں آباد، لکھنؤ، داکبر آباد وغیرہ رد اج پا یا اور جوں
 چاہئے بھوں کے من بھایا۔“
 یہی آگاہ اپنے چند اخلاقی اور مذہبی منظوم رسالوں کی زبان

کے تعلق لکھتے ہیں :-

آن سب رسالوں میں شاعری میں کیا ہوں۔ بلکہ صاف اور
سادہ کہا ہوں۔ اور اُردو کے بھاکے میں میں کہا ہوں۔

کیا داسٹے کر رہنے والے یہاں کے۔ اُس بھاکے سے واقع
نہیں ہیں۔ اے بھائی یہ رسالے دکھنی نہ بان میں ہیں۔

قدرت اللہ قدرت اپنے تذکرہ شعرا میں لکھتے ہیں کہ جب دلی
دہلی آئے اور شاہ سعد اللہ گلشن کو اپنی غزلیں نایں تو شاہ صاحب
نے یہ مشورہ دیا ہے

شما زیان دکنی را گذاشتہ موافق اُردو کے محلی شاہیان آباد
موڑوں بکنید کہ تما موجب شہرت و مرداج دیبول خواہ
صاحب طبعان عالی مزاج گرد دد۔

آگاہ خود دکنی تھے اور دکنی اور اُردو دنوں زیانوں پر عبور
رکھتے تھے۔ ولی سے پہلے کے دکنی شاعروں سے خوب و انتہ اور ان کے
کارناموں کے بڑے قدر شناس تھے۔ اس کے باوجود ولی کو رینجستہ
یعنی اُردو غزل کا موجہ اور اس صفت سخن میں سب کا مقصد اور
اُتادمانہ تھے ہیں اور کل اُردو غزل کہنے والوں کو اُس کا تقلد سمجھتے

ہیں۔ آزاد کی تحقیق کی صحت اور رائے کی اصابت کا اس سے بہتر ثبوت اور کیا ہو سکتا ہے؟

آزاد نے منظر کے حال میں
میرزا منظر کی حسن پسندی لکھا ہے :-

”وہ خود بیان کرتے تھے کہ حسن صورت اور لطف معنی کا عشق
ابتداء سے میرے دل میں تھا۔ چھوٹے سن میں بھی مصرع
مزدوں زبان سے نکلتے تھے۔ شیر خوارگی کے عالم میں حسن
کی طرف اس قدر میلان تھا کہ بد صورت کی گود میں نہ جاتا
تھا۔ کوئی خوبصورت یسا نہ تھا تو ہمکر کر جا پڑتا نہ تھا اور بھر
اس سے یتھے تو بمشکل آتا تھا۔“

مرزا منظر کے ایک شاگرد میر عبد الحسین تاباں جو حسن میں یوسف ثانی
تھے ان کے حال میں لکھا ہے :-

اکڑا یا ہتنا تھا کہ مرزا صاحب۔ بیٹھے ہیں اور ان کی صحبت
میں کر جہاں کبھی دعظت دار شاد اور کبھی نظر داشتuar کا
جلد رہتا تھا، تاباں بھی حاضر ہیں اور با ادب اپنے مرشد
کی خدمت میں بیٹھے ہیں۔ حضرت اگرچہ محفل ارشاد کے آداب

سے گرم جوشی ظاہر کرتے تھے گر معلوم ہتا تھا کہ انہیں کہتے
ہیں اور مارے خوشی کے باغ باغ ہوئے جاتے ہیں۔“

ذہبی تھب کے مرضیوں کو ان بیانوں میں آزاد کے تھب کی جھلک
نظر آتی ہے۔ وہ یہ تو یاد رکھتے ہیں کہ مرزا منظر اکاپ صوفی بزرگ تھے،
لیکن یہ بھول جاتے ہیں کہ تصوف کے مسلک میں عشقِ مجازی عشقِ حقیقی
کا زینہ کہا جاتا ہے۔ خود مرزا منظر کے والد میرزا جان بیٹے سے فرماتے
تھے:-

”ہر کو دش باغ عشق برستہ نمی شود رخاشاک طبیعت اد
سو خستہ دپاک نمی گردد، نامن طینت اوصلاحیت تخم مجت
النی نمارد، نہ یہ اکہ عشقِ مجازی نہ یہ عشقِ حقیقی است۔
پس مارے کہ رشتہ عشقِ مجازی طوق گلو کر ده (خود را)
در کوچہ دبازار رسوا دخادر سازید روح فیقر از شمار اپنی
نحو اہشد۔“

میرزا جان کی اس نصیحت اور وصیت کی بنابر مرزا منظر کا فرض تھا کہ
باپ کی روح کو خوش کرنے کے لئے عشقِ مجازی کا طوق گلے میں ڈالکر
خود کو کوچہ دبازار میں رسوا دخادر کر کریں۔ خود اُن کا بھی یہ عقیدہ تھا

”کر عشقِ مجازی برائے گرمی دلماںے افرادِ آتشِ الہی است لئے۔“

شیرخوارگی کے زمانے میں مرزا منظر کی حنپندی کے بارے میں آزاد نے دہی کہا ہے جو مرزا صاحب کے خلیفہ شاہ نعیم اللہ بہرا بھی نے اپنی کتاب سمولاتِ منظری میں لکھا ہے۔ شاہ صاحب کے الفاظ یہ ہیں :-

”از حالتِ صبا و شیرخوارگی انوار عشق از جین سبی
ایشان ظاہر د ہویدا بود در کن ر خوب روئے
بر غبت تمام می رفتند و اذکن را در جد انبی شدند مگر بِ حیله
واز من شور مصروع مزدوں می نمودند۔ ازیں جاست که
غمی مودند کہ شاعری و پریشان نظری از خمیر طینت
نقیر است لئے۔“

مرزا منظر کے ایک دوسرے خلیفہ شاہ عبید اللہ معروف بہ شاہ علام علی نے اپنے مرشد کی سوانح عمری مقاماتِ منظری میں اُن کی حنپندی کو انھیں کی زبانی زر افضل سے یوں بیان کیا ہے :-

”می فرمودند شوید عشق و محبت خیر بایہ طینت من هست و خاطر
را از آغازِ صبا میں تمام پنظام ہر جیلہ ثابت۔ مرا یاد است کہ

طفل شش ماہہ در آغاز مرضہ بودم نے جیلہ مراد رکنار
گرفت، جلوہ جالش دلِ مراز جابر دخا طرابہ اُد دا بستگی
پیدا شد۔ دلم بے دیدا را اُد قرار نہی گرفت۔ در فرا فش گریلہ
می کرم۔ پنج سالہ بودم کے آدازہ عاشقی من برز یا ہنا
افتادو در مردم شہور گشت کے ایں پس مراج عاشقانہ
می دارد۔"

مرزا منظہر اور میر عبد الحسن تاباں کے تعلقات کے بارے میں آزاد
نے جو کچھ لکھا ہے اُس سے کہیں زیادہ صفائی کے ساتھ خود مرزا حسن
نے اپنے مشاہد اور منظوہ نظر جوانوں کا ذکر کیا ہے۔ شاہ
عبد اللہ لکھتے ہیں :-

"می فرمودند کہ جاذبِ محبتِ من آں قدر رسابود کے عوارضِ
جمائی شاہدان بر طبیعتِ من ظاہری شد۔ یک بار جوانے
کے منظور نظم بودتب کرد، مرا نیز تپ عارض شد۔ فے دوا
خورد و اثرِ دوا در من پیدا آمد۔"

اب مرزا منظہر کی عاشق مراجی اور تاباں سے مفرط محبت کے بارے
میں آزاد کے پیش رو تذکرہ نگاروں کے کچھ قول پیش کیے جاتے ہیں :-

شیخ مصطفیٰ

”در ابتدائے شور عشق در طیتش مضر بود“^{۱۵۷}

چوں در آں رد نہم با میر عبد الحجی تآباں دستی به شدت
داشت.... غزلیات متعددہ از خامہ فکرش بر صفحہ
کاغذ رخیتہ بود کہ مشارِ الیہ مانع آمدہ^{۱۵۸}“

مصطفیٰ خاں شیفقتہ

(حوال ناظر) ہنگامہ عاشقی گرم داشت. شورش در سرد
بر عنا جوانان نظرش بود^{۱۵۹}“

(حوال تآباں) میرزا ناظر از دل گرمی شوقش تندی سینہ
نہ بانہ زن^{۱۶۰}“

مرزا علی لطف

خُن پرستی دل بستگی سے رغبت تمام رکھتے تھے اور عشق

حقیقی و مجازی سے کام^{۱۶۱}“

(نشی عبد الکریم) مولوی کریم الدین^{۱۶۲}

”وَهُجَيْنَ آدَمِيَّ كَوْ بَهْتَ چَا ہَسَا نَهَا^{۱۶۳}“

له عقد ثریا^{۱۶۴} ۲۵ تذکرہ ہندی ق۲۳ ۳۵ گلشن بیخار^{۱۶۵}

۳۵ گلشن بیخار^{۱۶۶} ۵۵ گلشن ہند ق۲۶ ۲۵ طبقات شعرے ہند^{۱۶۷}

لے
”مرزا نوب صورتوں سے بہت رغبت اور محبت رکھتا تھا۔“

سعادت خاں ناصر

لے
”میر عبد الحیٰ تا آبائی کی محبت میں زار و زیارت کھا۔“

حقیقت یہ ہے کہ تصوف کے مکاں میں حسن پرستی اور عاشق مزا جی عیب نہیں ہے۔ اگر عیب ہوتی تو مرزا صاحب اپنے مریدوں سے اُس کا ذکر کیوں کرتے اور اُن کے وہ مرید فاصل جنہوں نے ارشاد وہیات کی مند پر مرزا صاحب کی جگہ لی، اُن کے ان قولوں کو کتابوں میں درج کر کے خاص دعام کے علم میں کیوں لاتے۔

آنزاد نے مزا منظر کا ذکر جس احترام کے ساتھ کیا ہے اُس سے سوءے ظن کی گنجائش باقی نہیں رہتی۔ مگر بد بینی اور بدگانی کا کیا علاج۔

میر کے والد کا نام اکھا ہے۔ معرض کتنے ہیں کہ یہ آزاد کی گڑھت ہے کیونکہ میر نے اپنی خود نو شستہ سوانح عمری ذکر میر میں اپنے والد کا نام میر علی مستقی بتایا ہے۔ اس اعتراض کے جواب میں عرض ہے کہ کسی محقق کے لیے اس کے سوا چارہ ہی کیا ہے کہ زیر تحقیق موضوع کے تعلق جو ماخذ اُس وقت موجود اور اُس کی درس

لے طبقات شرعاً ہند ہتنا ہے خوش معرکہ زیباً قلمی، احوال میرزا منظر۔

کے اندر ہوں اُن سے کام لے۔ ذکر میر حضرت آزاد کی نظر سے نہیں گذری تھی اور ان کو اور ان کے بعد ایک مت ٹک کسی کو بھی اس کتاب کے دجود کا علم نہ تھا۔ انہوں نے تیر کے تصانیف کے سلسلہ میں ذکر میر کا ذکر بھی نہیں کیا ہے۔ البتہ آب حیات سے پہلے تین تذکرے ایسے موجود تھے جن میں تیر کے دالد کا نام دیا ہوا تھا۔ یعنی ناصر کا تذکرہ خوش معز کہ زیبا، نساخ کا تذکرہ سخن شعر اور محسن کا تذکرہ سراپا سخن۔ یہ تینوں تذکرے اس پر مستقیم تھے کہ تیر کے دالد کا نام میر عبد اللہ تھا۔ اس نام کو غلط سمجھنے کی کوئی وجہ بھی اُس دست موجود نہ تھی۔ ان حالات میں کوئی بڑے سے بڑا محقق بھی اس نام کے سوا کوئی دوسرا نام نہیں لکھ سکتا تھا۔ اب اگر نئے ماخذوں کے باہم آجائے کے بعد یہ نام غلط ثابت ہو جائے تو بھی آزاد کی تحقیق پر حرف نہیں آسکتا۔

اب اس دعوے کی حقیقت بھی سنئے کہ تیر نے ذکر میر میں اپنے دالد کا نام میر علی مستقی بتایا ہے۔ بابائے احمد جاپ مولوی عبد الحق صاحب نے یہ دعویٰ ٹری بلند آہنگ سے پیش کیا ہے۔ فرماتے ہیں :-

آب حیات میں نیز گلزار ابراہیمی میں میر صاحب کے دالد

کا نام میر عبداللہ لکھا ہے : میر صاحب اس کتاب () یعنی ذکر میرا میں ہر جگہ بیر علی مستقی لکھتے ہیں ساری کتاب میں کہیں اس کا اشارہ تک نہیں کر سوائے اس کے ان کا کوئی اور نام بھی تھا :

اس کے بعد مولوی صاحب نے کتاب کے وہ مقامات پیش کیے ہیں جہاں میر کے والد کا نام علی مستقی بتا یا گیا ہے۔ اور اس سلسلہ میں لکھا ہے :-

”باپ کے رنے کے بعد جب پہلی بار دہلی گئے اور خواجہ محمد باسط نے انھیں نواب صاحبِ امداد اور امیر الامراء کے ہاں پیش کیا اور امیر الامراء نے دریافت کیا کہ یہ کس کا لڑکا ہے تو وہاں بھی یہی نام بتایا ہے ”

(مقدمہ ذکر میر صد)

اس بحث کے سلسلے میں مولوی صاحب نے میر کا یہ قول بھی نقل کیا ہے جو اُن کے والد سے متعلق ہے۔

”جوان صالح عاشق پیشہ بود، دل گرے داشت، بخطاب علی مستقی امتیاز یافت۔“

ادر بکھا ہے:-

”اس جملے میں خطاب کے لفظ سے کچھ شبہہ پیدا ہوتا ہے کہ
شاید اصلی نام کچھ ادر ہے۔“

پھر اس شبہہ کو اس دلیل سے رد کر دیا ہے:-

اُن ” کے والد کا نام کتاب میں بارہ آیا ہے۔ میر صاحب کی
زبان سے ہو یا کسی دوسرے کی زبان سے لیکن ہر جگہ
علیٰ مستقی ہی بکھا ہے۔ اس سے دشوق ہوتا ہے کہ اصلی نام
یہی تھا۔^{۱۵}

راقم عرض کرتا ہے کہ وہ شبہہ صحیح تھا، یہ دلیل غلط ہے۔ اور اس
غلط خیال پر مبنی ہے کہ امیر الامر اکے دریافت کرنے پر خواجه
باسٹنے بھی میر کے والد کا نام علیٰ مستقی بتایا تھا۔ ذکر میر کا جو نسخہ
خود مولوی صاحب نے مرتب کیا ہے اُس میں امیر الامر اکا سوال اور خواجه
باسٹ کا جواب ان لفظوں میں ملتا ہے:-

”پرسید کہ ایں پر ارز کیت، گفت اذ میر محمد علی است“^{۱۶}

اس جواب سے یہ حقیقت واضح ہو جاتی ہے کہ تیر کے والد کا نام
سیر محمد علی اور خطاب علی مستقی تھا۔

مولوی شردانی مرحوم کے اغترافات | ابھن ترقی اردو نے

مولوی جلیب الرحمن خاں صاحب شردانی مرحوم کے مقدمے کے
ساکھ شائع کیا تھا۔ اس مقدمے میں جگہ جگہ مولانا کے ایسے اقوال
ملتے ہیں، جن میں آزاد کی غلط بیانیاں کنیت یا صراحت دکھائی
گئی ہیں۔ ذیل میں وہ عبارتیں نقل کر کے ان پر تحقیق کی روشنی
ڈالی جائے گی:-

مولوی شردانی کے قول :-

نکات الشعرا کو غور سے پڑھنے کے بعد پورا یقین ہو جاتا ہے
کہ سیر صاحب نہایت پاک شرب، مودب و مہذب، زندہ
دل، یاد باش اور منکر المزاج انسان تھے۔

تمام تذکرے میں ایک لفظ بھی سیر صاحب کے قلم سے ایسا
نہیں نکلا جس سے ان کی خوبی بنی و خود پسندی یا بد ماغی

اد د تعلیٰ عبیار ہے"

میر کی نازک مزاجی اور بے دماغی میر کے جو اخلاقی اوصاف تسلیم، لیکن اُن کی منكسر مزاجی تسلیم نہیں کی جا سکتی۔ میر کی سیرت کے باہمے میں رائے قائم کرتے وقت اپنی نگاہ کو صرف نکات الشعرا میں محدود رکھنا اور میر کا دفتر دفتر کلام، اُن کی خود نو شہ سوانح عمری اور اُن کے ہم صوروں کے بیانوں کو نظر انداز کر دینا کسی صحیح نتیجے تک نہیں پہنچا سکتا۔ میر صاحب کو خود اعتراف ہے کہ "ہے نام مجلسوں میں موا میر بے دماغ"

وہ خود فرماتے ہیں :-

سر کسی سے فسرد نہیں آتا حیف بندے ہوئے خدا نہ ہوئے
ہر لحظہ بد مزاجی رہتی ہے میر تم کو الجہادِ روزیں سے جھگڑا ہو آسائے
انھوں نے ذکر میر میں ایسے کئی داقعے لکھے ہیں، جن سے اُن کی نازک مزاجی اور بے دماغی صاف ظاہر ہوتی ہے۔ مولوی عبد الحق صاحب نے اس کتاب کے مقدمے میں ایک جگہ اُن داقعات کی طرف اشارہ بھی کر دیا ہے

حکیم قدرت اللہ فاتحہ قاسم دہلوی تیر کے ہم عصر تھے۔ انہوں نے اپنا تذکرہ مجموعہ منفرد میر کی زندگی میں لکھا تھا۔ وہ تیر کے غادر و نجوت کا ذکر بہت پُر زور لفظوں میں یوں کرتے ہیں :-

”از کبر دغدرش چہ بر سر از مر کر حدے نہ دار دواز نجوت
د خود سریش چہ بر نگار مر کر سینہ قلم حقائق رقم می نگاہد۔“

قاسم نے میر کی بد دماغی کا ایک واقعہ بھی بیان کیا ہے کہتے ہیں کہ مزدا محمد تقی فاس ترقی کے یہاں شاعرہ تھا۔ جراءات نے کئی غربی پڑھیں۔ تھیں دا آفریں کے شور سے کان پڑی آداز نای نہ دیتی تھی۔ میر بھی موجود تھے۔ جراءات میر کے قریب آئے اور اپنے کلام کی داد چاہی۔ میر فاموش ہے۔ آخر دو تین مرتبہ کی درخواست کے بعد یہ ”الفاظ ہندی“ اُن کی زبان نجوت تو امان پر جاری ہوئے۔

”کیفیت اس کی یہ ہے کہ تم شرتو کہہ نہیں جانتے ہو، اپنی چوما چاہا (کندا) کہہ لیا کر د۔“

آزاد نے بھی یہ واقعہ قاسم کے حوالے سے بیان کیا ہے -

لیکن میر کے قول میں چو ما چاٹا کی جگہ چو ما چائی لکھا ہے اور یہی صحیح معلوم ہوتا ہے۔

احمد علی خاں یہ تھا لکھنؤی میر کے ہم عصر تھے۔ انہوں نے اپنی کتاب دستور الفصاحت میر کے انتقال سے بارہ تیرہ سال پہلے لکھی اور ان کے انتقال کے تین چار سال بعد ان کے حالات پر نظر ثانی کی۔ وہ اس کتاب میں لکھتے ہیں :-

”جذاب میر غسل در کمال د استغناۓ تصون بکضر
بخارش بودہ اکثر کم اتفاقی و بے اختیالی بحال مردم
می نہد بلکہ گاہ با امرا، ہم چنافکہ یاد را و اتفاقات
و مبالغت نہی پہمید۔“

میر کی نازک مزاجی کا ایک داقعہ ان کی زبان سے بھی سن لیجئے۔ ایک دن میرا پنا ایک نیا طولانی قصیدہ نواب آصف الدولہ کو سنارہے تھے۔ ایرانی شاعر ملا محمد بھی موجود تھے۔ اور نواب کی محیں کچھ پڑھنا چاہتے تھے۔ لیکن میر کا قصیدہ سارا وقت یہے رہا تھا۔ آخر تنگ آکر بولے میر صاحب آپ کا قصیدہ خوب ہے، مگر طولانی ہے۔ اگر نواب صاحب کا دماغ دفائہ کرتا تو کون سنتا۔ یہ

سننے ہی میر نے بیاض ہپنگاں دی اور منع فرض ہو کر کہا اگر نواب کا دماغ دفانہ کرتا تو میرا دماغ کب دفانہ کرتا۔ انہوں نے زر ابھی نواب کا پاس نہ کیا۔ مگر نواب نے نہایت مسر بانی اور منتسبوں سے اُن کو منایا اور پورا قصیدہ نہیں۔

شیخ مصطفیٰ بھی میر سے ذاتی داقیقت رکھتے تھے اور اُن کو اُردو کا سب سے بڑا شاعر مانتے تھے اور انہائی تو قیر و تعظیم کا مستحق سمجھتے تھے۔ اس کے باوجود اپنے تذکرے عقد ثریا میں میر کے متعلق لکھتے ہیں :-

”اذ بکر اذ ابنا رے زمانہ کے را مخاطب صحیح نبی پندارو،“

سخن بپر کرس ذرا کس نبی کند۔ اذیں جہت عشرہ اور ا کچھ خلق دبر خود غلط دالھیات دشمن قرار می دہند۔“

انھیں مصطفیٰ نے اپنے تذکرہ ہندی میں میر کے بیٹے فیض علی فیض کے متعلق یہ جملہ لکھا ہے ”انہ کے حصہ اذ عجب پدر ہم دارد۔“ میر حسن میر کے شاعرانہ کمال کے بنے حد معرفت ہیں مگر اس حقیقت کے اظہار پر مجبور ہیں کہ ”بیار صاحب دماغ است۔“

لہ دستور الفصاحت ص ۲۵-۲۶ م ۵۲ عقد ثریا ص ۲۷

۱۵۹۔ م ۲۷ تذکرہ میر حسن ص ۱۵۹

آزاد نے میر کی نازک مزاجی اور بے دماغی کے چند داقعات بیان کیے ہیں، جن کو صحیح مانتے میں بعض لوگوں کو تامل ہے۔ مگر سعادت خاں ناصر لکھنؤی، جو میر سے بخوبی دائم تھے۔ انہوں نے اپنے تذکرے خش شعر کہ زیبا میں ایسے ایسے داقعات لکھے ہیں، جن کے سامنے آزاد کے بیان کیے ہوئے داقعات کی کوئی حقیقت نہیں تذکرہ ابھی تک شائع نہیں ہوا ہے۔ اس لیے وہ داقعات یہاں مختصرًا بیان کیے جاتے ہیں:-

”ایک مرتبہ میر صاحب اور شاہ قدرت اللہ کشتی پر بیٹھے دریا کی سیر کر رہے تھے۔ شاہ صاحب نے اپنے دیوان سے چند غزلیں نہیں۔ میر صاحب کچھ نہ بولے۔ شاہ صاحب نے عرض کی، آپ نے کچھ نہ فرمایا۔ میر صاحب نے جواب دیا، بتیر یہ ہے کہ تم اپنا دیوان اسی دریا میں ڈال دو۔“

• • •

حدائق نواب غازی الدین خاں دریا کے کنارے بیٹھے ہوئے
مرغابیوں، بلوں اور سرخابوں کا تماشاد کیجھ رہے تھے! اتفاق
سے میر صاحب بھی آگئے۔ نواب صاحب نے اپنے چند قصیدے
پڑھ کر داد چاہی۔ میر صاحب نے فرمایا، میری تعریف کی کیا

مفردت ہے۔ آپ کے اشعار سے ہر بڑ پر دجد دساع کی
حال طاری ہے۔

نواب عاد الملک نے میر صاحب کو طلب کیا۔ صرف ایک کرسی
رکھی گئی جس پر وہ خود بیٹھے۔ مقصد یہ تھا کہ میر صاحب کھڑک
رہیں۔ انہوں نے ایک لمحہ انتظار کی۔ اس کے بعد اپنا ددپہ
ڈھرا کر کے پچھا یا اور اس پر بیٹھ گئے۔ نواب نے میر سے
کچھ پڑھنے کی فرائش کی تو انہوں نے یہ قطعہ پڑھ کر سادیاں
کل پاؤں ایک کام سر پر جوایا۔ یہ سرداہ سختوں سے چور تھا
کہنے لگا کہ دیکھ کے چل راہ بینبر۔ یہ بھی کہہ کو کام سر پر خود رکھا

لکھنؤ کے سفر میں گاڑی پر ایک بنبیے کا ساتھ ہو گیا۔ روانگی
کے وقت کچھ رات باتی تھی جب روز روشن ہوا اور اس کی
صورت دیکھی تو اپنا منہ پھیر لیا اور رات بھروس کی طرف
اپنا منہ نہ کیا۔

میر صاحب لکھنؤ میں تازہ وارد تھے کہ مرزا مغل سبقت

جو خود اچھے شاعر تھے، ان کی ملاقات کو گئے۔ اور کچھ دیر
ادھر ادھر کی باتیں کرنے کے بعد درخواست کی کہ اپنے
کلام سے مستفید فرمائیے۔ میر صاحب نے بے تائل فرمایا،
لکھاری صورت سے سخن فہمی ظاہر نہیں ہوتی پھر اپنے سخن کو
ضائع کرنے سے کیا حاصل۔

● ●

ایک دن نواب آصف الدولہ بہادر اپنے کتب خانے میں
تشریف فرماتھے۔ سامنے میر صاحب بیٹھے ہوئے تھے۔ ایک
کتاب نواب صاحب سے دور اور میر صاحب سے قریب تھی۔
نواب صاحب نے فرمایا کہ وہ کتاب مجھ کو اٹھا دیجیے۔ میر صاحب
نے ایک خادم سے فرمایا سنو لکھارے آقا کیا فرماتے ہیں۔
نواب صاحب نے اٹھ کر وہ کتاب خود اٹھا دی۔

● ●

آصف الدولہ نے کہا کیوں میر صاحب مرزا رفیع سودا کیا
مسلم البتوت شاعر تھا۔ میر صاحب نے جواب دیا۔ بجا ارشاد
ہوا۔ ہر عیب کر سلطان پر پندہ ہتر است،

آصف الددلہ کے اتھاد میر سوہنے مجرے کے لیے ہاضر ہوئے
 میر صاحب بھی اس وقت موجود تھے۔ نواب کی فرماں شہزاد
 نے دو تین خریں پڑھیں اور نواب نے خوب تعریف کی میر حنفی
 کو شہزاد کی جماعت اور نواب کی تعریف بہت ناگوار گز ری
 اور شہزاد سے کہا، تھیں اس دیری پر شرم نہیں آتی۔ تھاری
 شرخانی کا موقع اور محل تودہ ہے جہاں رکھ کیاں جمیں ہوں
 اور ہنہ کلیاں کپڑی ہوں، نہ وہ جہاں میر تقی موجود ہوں
 یہ کہہ کر دہ شقہ، جو نواب نے میر کی طلب کے لیے لکھا تھا
 جیب سے نکال کر نواب ملے سامنے رکھ دیا اور دخانہ آباد
 دولت زیادہ، کہتے ہوئے اٹھ کھڑے ہوئے۔

(خوش معرکہ زیبا، در ق ۴۲ (تامہم ب)

میر سے ذاتی واقفیت رکھتے والے مصنفوں کے بیانات
 میر کی دیسی ہی تصویر پیش کرتے ہیں جیسی آزادی کے آب حیات میں
 چھپی ہے مان بیانات کو پڑھنے کے بعد میر کو منکر المزاوج ماذا
 شکل ہے۔

مولوی شردانی کا قول :-

میر ادھان آرزو | میر صاحب فان آرزو کو اپنا اعلیٰ ۱۹۶۳

پر درشد تباتے ہیں۔ آزاد کتے ہیں، بگڑ کر الگ ہو گئے۔

مولوی عبدالحق صاحب نے ذکر میر کے مقدمے میں اس مسئلہ پر رد شنی ڈالی ہے۔ اُن کا بیان ذیل میں نقل کیا جاتا ہے:-

”اس کتاب (یعنی نکات الشعرا) میں تیر صاحب نے فان آنہ

کا بڑے ادب سے ذکر کیا ہے اور اُن کے کمال اور سخن فہمی

کی بے حد تعریف کی ہے۔ اور مزدا معز (فطرت موسوی

خاں) کے عال میں انہیں ”اتا دد پر درشد بندہ“ لکھا ہے

ان شواہد کو دیکھتے ہوئے آزاد کا یہ قول نہایت ناگوار گز رتا

ہے کہ ”خاں صاحب حقی مذہب تھے، میر صاحب شیعہ۔ اُن پر“

مازک مزاجی غصب بغرض کسی مسئلہ پر بگڑ کر الگ ہو گئے۔“

قیاس بھی ہوا کہ یہ بھی آزاد کا ایک چیکلا ہے، جو حب

عادت لطفِ راتان اور زینگینی بیان کی خاطر لکھ گئے ہیں

لیکن جب یہ کتاب (ذکر میر) ہماری نظر سے گزری تو معلوم

ہوا کہ آزاد بڑی پتے کی بات لکھ گئے ہیں۔ تیر صاحب

فان آرزو کے دلآلزار بر تاد اور بے مردّتی کے نہایت

شاکی ہیں۔“ صد

اس کے بعد تیر کے ان بیانوں میں جو تضاد ہے اُس کی ایک قیاسی توجیہ پیش کی ہے جو محلِ نظر ہے۔ ہولوی امتیاز علی عرشی کی واقعاتی توجیہ اس سے زیادہ قرین قیاس ہے۔ وہ لکھتے ہیں : -

تیر صاحب نے "شعبان ۱۲۵ھ میں خان آرزو کی

ہمایگی چھوڑ دی ہے۔ اس لیے بعد نہیں کہ اس تاریخ سے

قبل ہی تذکرہ ختم کر چکے ہوں، در نہ تذکرے یہ اُنھیں

اُستاد پیر مرشد بندہ کے لفظوں سے یاد نہ کرتے ۔"

کچھ آگے پڑھ کر پھر لکھتے ہیں : -

آرزو کے متعلق اکھوں (یعنی) بتیر نے جو عمدہ تعریفی کلمات

استعمال کیے ہیں وہ شعبان ۱۲۵ھ کے قبل کے لکھے

ہوئے ہیں، جب کہ وہ آرزو کے بیان یا اُن کے پردیں میں

راکرتے تھے۔"

تیر کے ذکر میں حسکیم قاسم کے مندرجہ ذیل الفاظ بھی تیر اور خان آرزو کی باہمی کشیدگی کی طرف اشارہ کرتے ہیں : -

"نسبت تلذذ ہم ہے خان شارہ الیہ (یعنی خان آرزو)

دارد اما بنابرخوتے کہ درسرش جاگر فستہ ازیں امر ۔ ۔ ۔

..... اب اے کلی ہمیں آمدی ہے۔

مولوی شردانی کا قول :-

میر کا داد دینے میں بخل میر صاحب نے نکات الشعرا میں اپنے سلنے کے رہ کوں کے کلام کی خوبی بھی تیسم کی ہے..... آزاد کا بیان مانا جائے تو وہ سعدی دھافظ کی غزل پر سر ہلانا مگناہ سمجھتے تھے؟

آزاد کا یہ بیان حکیم قاسم کی عینی شہادت پر مبنی ہے۔ وہ لکھتے ہیں :-

”شُرِّكَ، أَگرْ چِہرَهُ اعْجَازَ باشَدْ، وَ كَلَامُ شِيخِ شِيرَازَهُ باشَدْ
سَرِّهِمْ لَمْ جِنْبَانَدْ تَماًضَتْهُنَّ خُودَ چِرَدْ دِبَهْ سَخْنَ اَهَدَهْ، أَرْ چِهَ
مَجْزُ طِرَازَهِ بُودْ، وَ گَفْتَهُ اهْلِ شِيرَازَهِ، گُوشْ هُمْ فِرَانِي
دارَدْ۔ امْكَانَ چِيتَ کَرْ حَرفِ آفَرِیں بِرْ نَهْ بَانِشَ رَهَدَدْ۔“

میر صاحب کی نخوت یاحد سے گزری ہوئی خودداری کے واقعات جو او پر بیان کیے جا چکے ہیں، وہ بھی یہی بتاتے ہیں کہ وہ شعر کی داد دینے میں رور عایت سے بالکل کام نہ لیتے تھے۔

مولوی شردانی کا قول :-

دَلِ اور شیطان دل کی نسبت تیر صاحب نے یہ ریارک کیا
ہے اذکال شہرت احتیاج تعریف
نہ دارد یہ شیطان دل نقہ سارے تذکرے میں
کہیں نہیں ۔

آزاد نے تیر کے تذکرہ شعر کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے "دل
کہ بنی نوع شعر کا آدم ہے، اُس کے حق میں فرماتے ہیں۔" دے
شاعریت از شیطان مشور تر، حکیم قاسم بھی اس جملے کو ستر کا
قول بتاتے ہیں۔ دہ تیر کے حال میں لکھتے ہیں :-

در حق شاعر شان جل المخلص به دل نوشته کر دے
شاعریت از شیطان مشور تر، دنرائے ایس کردار
ناہنجار از کترین شاعر بہ داجی یافتہ کر، بجوہائے
ستعدہ اد کر دہ، کر بعضی از آں بغاوت دگیک د پر دہ در
افتادہ ۔

اور کترن کے حال میں اس بیان کی تکرار کرتے ہیں :-

لہ مقدمہ نکات شعر امت ۲۳ ۲۵ مجرمہ نفر نے جلد دوم ف ۲۳
۲۵ مجرمہ نفر نے جلد دوم ف ۲۴

"با بر نو شتن تیر در تذکرہ خود شاعر شان جل ام تخلص ب"

دل را کہ دے شاعریت از شیطان مشور تر، ہجوم ہائے
رکیکہ بہ داجبی نہ ملے"

پھر دل کے حال میں تیر کے اس قول کی طرف اشارہ کرتے ہیں :-

"حقش بر جملہ سخن پر دام ان ہندی زبان ثابت است
و سخن بر سخن ابلیس منشی دشیطنت۔ میر خاں کترین کر
خداش بیا مرزد، بسیار موقع د بجا گفتہ کرد کی پر جو
سخن لادے اسے شیطان کہتے ہیں"

بہر حال تیر کے جس جملے کو فاقہم نے درود جگہ نقل کیا اور تیسرا جگہ
اُس کی طرف اشارہ کیا، اور جس کی بنا پر کترین نے تیر کی نہایت
رکیک، ہجوم کیں۔ وہ نکات لشعا را کے مطبوعہ لشکنے میں موجود
نہیں ہے۔ اُس کی جگہ یہ جملہ ملتا ہے "از کمال شرعت احتیاج تلف
نہ دارد"؛ اس معنے کا حل آئے گا۔

مولوی شردادی کا قول :-

تیر کی بدگوئی] آزاد نے لکھا ہے کہ ایک ہزار شعر میں سے

لے آجیات ۲۱۲ ۳۵۰ مجموعہ منفرز جلد دوم ص ۲۳۲

۳۵ نکات الشعرا ص ۹۶۔

کوئی بیچارہ میر صاحب کے طعنوں اور ملامتوں سے نہیں
بچا، حالانکہ میر صاحب نے تقریباً ب کو خوبی سے یاد
کیا ہے۔“

اس محلے میں بھی حکیمت اسم آزاد آج کے ہم نواہیں۔ کہتے ہیں:-
”در تذکرہ خود ہبہ کس را بہ بدھی یا پر کر دہ۔“

سر لوی شردادی کا قول :-

میرزا منظہر کا نام [آناد نے ہر جگہ میر منظہر صاحب ۱۹۹۳] رحمۃ اللہ علیہ کا نام جان جاناں لکھا
ہے، حالانکہ میر صاحب نے جان جاناں لکھا ہے جو صحیح
ہے۔ ایک شخص نے جان جاں شعر میں باندھا تو میر صاحب
نے ٹوکا کر ایسا خواص کو نہیں چاہئے۔ صحیح نام لکھنا چاہئے۔
یہ درست ہے کہ میرزا منظہر کا نام جان جاں رکھا گیا تھا۔ لیکن وہ
اپنی زندگی میں بھی عام طور پر جان جاناں ہی کھلاتے تھے۔ علامہ
غلام علی آزاد بگرامی نے اپنا تذکرہ سرو آزاد میرزا منظہر کی زندگی
میں لکھا تھا۔ اُس میں اُخھوں نے ان کا نام تو میرزا جان جاں بتایا

۲۳۳۔ ۲۴۷ مجموعہ نفر جلد دوم فہرست
۲۴۷ مقدمة نکات الشرا فہرست۔

ہے۔ مگر یہ بھی لکھا ہے کہ ”نام او برائسنہ میرزا جان جاناں جاری شد“^۱
 میر کے زمانے میں ایک شاعر کا جان جاناں نظم کرنا مولیٰ شردانی نے
 خود ہی بیان کیا ہے۔ مرزا سودا، سلام اللہ خاں اور مولیٰ شناو اللہ
 پانی پتی نے مرزا منظہر کی وفات پر جو قطعات تاریخ کئے ہیں ان میں
 ذیل کے شعر بھی ہیں :-

تاریخ وفات اُس کی کہی بارے درد سودانے کے لئے جان جاناں مظلوم
 (سودا)

جان جاناں کہ جان جاناں بود درجستہ شہید شد پہ جفا
 (سلام اللہ خاں)

آن حضرت میرزا منظہر جان جاناں جیب اللہ
 (شناو اللہ)

ان شعروں میں مرزا منظہر کو جان جاناں کے نام سے یاد کرنے والے
 سب کے سب اُن کے ہم عصر تھے۔ اور مولیٰ شناو اللہ اُن کے خلیفہ
 بھی تھے۔ اُن کے ایک اور خلیفہ شاہ نعیم اللہ نے اُن کا نام
 جان جاں بتانے کے بعد لکھا ہے : ”آما بر زبان عوام... مشور

لہ سرد آناد ص ۲۳۲۔ ۲۵ یہ قطعات محوالات نظمہری میں درج ہیں۔

و معرفت پر جاں جاناں اندھے۔ اور جماں کیس اُن کا نام لیا
ہے دہاں جان جاناں، ہی لکھا ہے۔ مرزا منظر کے تیرے خلیفہ شاہ
عبداللہ معرفت پر شاہ غلام علی نے اپنے مرشد کی سوانح عمری لکھی
تو اُس میں ہر جگہ اُن کا نام جان جاناں، ہی لکھا۔ تذکرہ نویسون نے
بھی اکثر دیشتر اُن کا ذکر جان جاناں، ہی کے نام سے کیا ہے۔ بہت سے
ٹرھ کری ہے کہ مرزا منظر ہر خود بھی اپنا نام جان جاناں لکھتے ہیں۔
مشلاً

”بعد حمد و صلوٰۃ از نقیر جان جاناں مولیٰ صاحب مهرابان
سلّمہ الرحمن مطاعہ فرمادی“

”بعد حمد و صلوٰۃ از نقیر جان جاناں وصیتے چند
براجاب می کنم“

ان حالات میں اگر آزاد نے مرزا منظر کا نام ”جان جاناں“ لکھا تو
اس سے اُن کی ناد اتفیقت ثابت نہیں ہوتی۔

آزاد مرزا منظر کا اصل نام بھی جانتے تھے اور اس کی وجہ

۱۔ محوالات منظری ص ۲۷۳ میں مقامات منظری صفحات ۳۴۷ اور ۲۳۰ در ۶۱ دیغیرہ
۲۔ محوالات منظری ص ۹۳ میں ۵۵ محوالات منظری ص ۱۲۲۔

تیسے بھی۔ انہوں نے لکھا ہے کہ عالمگیر کو مرزا کی ولادت کی خبر گزری تو عالمگیر نے کہا کہ بیٹا باپ کی جان ہوتا ہے۔ باپ مرزا جان ہے۔ اس کا نام ہم نے جان جاں رکھا۔ آزاد کا بیان ترجمہ ہے معمولات منظری کی حسب فیل عبارت کا :-

چون خبر ولادت با سعادت آں حضرت پہ سمع بارک
عالمگیر رسید فرمود کہ پسر جان پوری باشد۔ چون
نام والدش مرزا جان است نام پرش راجان جاں
منظور کر دم۔

عجب اتفاق ہے کہ آب بحیات اور معمولات منظری کے نئے جو
میرے پیشِ نظر ہیں ان دونوں میں جان جان کو جگہ جان
جاناں لکھا ہوا ہے۔ مگر ظاہر ہے کہ کاتبین کا سو فلم ہے۔
مروی شردانی نے جو غلط بیانیاں آزاد
کی طرف منسوب کی تھیں اُن کا جائزہ تحقیق کی رد شنی میں لیا
جا چکا۔ نکات اشراک کے پارے میں آزاد کے بیانات اور

اُس کے مطبوعہ نسخے کے مضامین میں جو اختلافات تھے،
اُسے دیکھ کر شردانی صاحب فرماتے ہیں :-

آنذاد کے قیاسی طوٹے میں "نکات الشرا کا جو چہرہ
آنذاد کے قیاسی طوٹے میں آب حیات میں نظر
آتا ہے وہ ان خط و غال کے باکل برکس ہے جو
اب ہمارے سامنے ہیں۔"

"اور اسی قسم کے بہت سے بیان یہ آب حیات میں
دیکھتا ہوں تو غرقی حیرت ہو جاتا ہوں۔ اور کچھ
میں نہیں آتا کہ ما جرا کیا ہے۔ سارے مضمون نکات الشرا
کے باکل خلاف اور ضد ہیں۔"

اور آخر میں یہ میتھہ نکالتے ہیں :-

نکات الشرا آنذاد کی نظر سے نہیں گزرا۔ قیاس کی
بلند پردازی نے طوٹے میں بناؤ را اڑا کے ہیں اور
اُن کی سحر بیانی سے سامعین کو خوش کیا ہے۔"

مولوی شروانی نے اعتراض کیا ہے کہ اب تداعُ اس
 تذکرے کا علم تذکرہ آب حیات کے ذمیعہ سے ہوا تھا۔ اب
 سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ آزاد کیا ضرورت بھی کنکاتِ شعر
 کو لوگوں کے علم میں لاتے، پھر اپنی تجھیں سے اُس کے مفاسین
 گڑھتے اور اپنے دل سے اُس کی عبارتیں بناتے۔ اور یہ سب
 فریب کاریاں کس لیے؟ میر کو بدنام کرنے کے لیے۔ آخر میر سے
 آزاد کیا دشمنی بھی؟ میں جب ان سوالوں پر غور کرتا ہوں
 اور سوچتا ہوں کہ آزاد کو تو ان کے علم و فضل، اُن کے کمال
 انشا پر دانزی اور اُن کی بے نظیر تصنیفوں کی بدولت اُن کے
 زمانے نے عزت کی کرسی پر بیٹھایا تھا اور اُن کو اپنے نام
 کی لاج بھی رکھتا تھی، ایسی دیدہ دلیری تو کوئی ادنیٰ درجہ
 کا مصنف بھی نہیں کر سکتا، اور اس کے ساتھ ہی میر کے
 ہم عصر قاسم دہلوی کو ہر موقعے پر آزاد کا ہم نواپاتا ہوں،
 تو دل کتا ہے کہ قاسم اور آزاد کے سامنے نکاتِ الشعرا کا مکمل
 لسخ اپنی صلی شکل میں تھا۔ امکان تو اس کا بھی ہے کہ ایک ہی

نحو دو نوں کی نظر سے گزرا ہو۔ قیاس کرتا ہے کہ جس ذریعے سے
فَاتِمَ کے ہاتھ کا لکھا ہوا مجموعہ نَغْزَ کا اصل مسودہ آزادِ تک
پہنچا تھا اسی ذریعے سے نکاتِ الشِّعْرِ اکا دہ نئے جو قَاتِمَ کی
لکھ تھا، آزادِ کے ہاتھ لگا ہو گا۔

نکاتِ الشِّعْرِ کا مطبودہ نئے حل نئے کا ترمیم شدہ خلاصہ
معلوم ہوتا ہے۔ مولوی شردانی کی تحقیق ہے کہ یہ تذکرہ ”میر صاحب
کے عہدِ شباب کی تایف ہے، جب کہ وہ دہلی میں تازہ وارد
تھے۔“ یہ دہلی زمانہ تھا جب میر کے مزاج میں ایسی شورش
پیدا ہو گئی تھی کہ بغیر گالی کے بات نہ کرتے تھے یہ سعادت خان
ناصر لکھتے ہیں :-

خود فرماتے تھے کہ عنقدان جوانی میں جوش وحشت اور
استیلاں سودا طبیعت پر غالب ہدا اور کام د
زبان ہرزہ گئی پر راغب۔ ترک نگارِ ذمام، رسوائی
خاص دعَام پندا آئی۔ ہر کسی کو دشنام دنیا شعار،
اور سُنگ زنی کا رد بار تھا۔

لہ مقدمہ نکاتِ الشِّعْرِ ص ۲۰ خوش مسر ک زینب درق ۱۴۳ ب
۳۲ المد -

اُسی زمانے میں سیر نے اثر در نامہ لکھ کر اپنے کو اثر دہا اور دوسرے شاعروں کو حشرات الارض قرار دیا تھا۔ اُس زمانے میں جو تذکرہ بھیگا گیا اُس میں بذریانی اور تلخ کلامی کیوں نہ ہوگی۔ جب طبیعت کو سکون ہوا تو اُس کا لب دلچسپ بدلت کر دیا جیسا اب ہے۔

سید انشا کا جزو | آزاد آزاد نے لکھا ہے کہ سید انشا بیان کی صداقت میں بھی شبہہ کیا گیا ہے۔ مرحوم مرزا فتح اللہ بیگ نے انشا نام کی ایک چھوٹی سی کتاب لکھی ہے۔ اس میں اس بیان کو حقیقت کے خلاف بتایا ہے۔ اور اس سلسلے میں لکھا ہے:-

”آزاد مرحوم نے سید انشا کی دہ حالتِ زاد بیان کی ہے کہ پڑھ کر کپکپی سی آجاتی ہے۔ لیکن جب ہم خود انشا کے نواسے مرزا ادیج کا بیان دیکھتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ یہ حکایت بھی آزاد مرحوم کے زدہ قلم کا نتیجہ ہے۔ مرزا ادیج بیان کرتے ہیں کہ ”ذ تو سید انشا مجذون ہوئے اور نہ اُن کی تنخواہ بند

ہوئی۔ صرف یہ ہوا کہ نواب سعادت علی فان نے حکم
دے دیا کہ وہ سوائے دربار کے اور کمیں نہ آئیں اور
دربار میں بھی صرف طلبی پر حاضر ہوں۔“

مگر اشٹا کے ہم عصر سیکیت اکھنٹوی کا قول ہے کہ وہ آخر میں
مجذون ہو گئے۔ چند سال اسی حالت میں گزدے اور اسی مرض
میں انتقال ہوا۔ یکتا کے الہماۃ یہ ہیں :-

آخر آخر مجذون شدہ چند سال گذشتہ . و دندک
ہے ہمارا مرض درگذشت۔“

ایک عینی شاہد کے اس واضح بیان کے سامنے بعد دالوں کی
قياس آرائیاں کیا دقت رکھتی ہیں!

ذوق اور غالب ایک اعتراض عام طور پر یہ کیا جاتا
ہے کہ آزاد نے ذوق کو غالب پر ترجیح
دے کر بڑی نابھانی کی ہے۔ بے شک آزاد کو ذوق سے
بڑی عقیدت اور بہت محبت تھی، وہ ان کی بات بات
سے ٹپکتی ہے۔ مگر عقیدت اور محبت کا انداز اور چیز

ہے اور بے جا پاس داری اور چیز ہے۔ دیکھنا یہ ہے کہ آزاد نے ذوق اور غالب کے کلام پر جو رائیں ظاہر کی ہیں وہ کسی تک صحیح ہیں۔ ذوق کی غزل کے متعلق لکھتے ہیں :-

”غزلوں کے دیوان کو دیکھ کر معلوم ہوتا ہے کہ عام جو ہر ان کے کلام کا تازگی مضمون، صفاتی کلام چستی ترکیب، خوبی محاورہ اور عام فہمی ہے۔“

سودا کے کمال قصیدہ گئی کا ذکر کر کے کہتے ہیں :-

”آن کے بعد شیخ مرحوم (یعنی ذوق) کے سوا کسی نے اس پر تسلیم نہیں اٹھایا اور انہوں نے مرقع کو ایسی اونچی محراب پر سجا یا کہ جہاں کسی کا ہاتھ نہیں پہنچتا۔“

مرزا غالب کے بارے میں لکھتے ہیں :-

”دہ کیسی طبیع خداداد لایا ہوگا جس نے اُس کے بکریں یہ بلندی، دماغ میں یہ معنی آفرینی

خیالات میں ایسا انداز، لفظوں میں تسلی تراش اور
ترکیب میں انوکھی روشن پیدا کئے۔

• • •

”جس قدر عالم میں مرزا کا نام بلند ہے اُس سے
ہزاروں درجے عالم معنیٰ میں کلام بلند ہے۔“

• • •

”دو باتیں اُن کے انداز کے ساتھ خصوصیت رکھتی ہیں
ادل یہ کہ معنیٰ آفسرنی اور نازک خیال اُن کا شیوهٗ
خاص تھا۔ دوسرے چونکہ فارسی کی مشتہ زیادہ بھتی
اور اس سے انھیں طبعی تعلق تھا اس لیے اکثر
الفاظ اس طرح ترکیب دے جاتے تھے کہ بول
چال میں اس طرح بولتے نہیں لیکن جو شعر صاف
صاف نکل گئے ہیں وہ ایسے ہیں کہ جواب نہیں
رکھتے۔“

غالب کے اردو کلام میں بیشتر اشعار ایسے تھے جن میں

اخلاق دا بہام کا عیب تھا۔ اُن کو خارج کر دینے کے بعد اُن کے کلام کا اکیل مختصر مجسم موعہ مرتب کیا گیا۔ اس منتخب مجموعے میں بھی بہت سے شعر ایسے ہیں جو آسانی سے سمجھ میں نہیں آتے۔ اور اسی یہے اب تک اس کی دس بارہ شخصیں لکھی جا چکی ہیں۔ آزاد نے کلام غالب کے اس عیب کا ذکر تو کیا ہے، مگر اس میں بھی حفظ مراتب کا لمحہ نظر کھا ہے۔

کہتے ہیں :-

”اکثر شعر ایسے اعلیٰ درجہ پر رفتہ رفتہ پر واقع ہوئے
ہیں کہ ہمارے نارساذ ہن دہائیں تک نہیں پہنچ سکتے ہیں“

کون کہہ سکتا ہے کہ ذوق و غالب کے بارے میں آزاد کی یہ رائیں صحیح اور بے لाग نہیں ہیں؟

آزاد نے بعض چیزوں سے ذوق کو نہ صرف غالب پر بلکہ اُردو کے تمام شاعروں پر ترجیح دی ہے۔ مگر اس محلے میں وہ منفرد نہیں ہیں۔ اُن کے زمانے میں تو ان کے ہمیاؤں

کا شمار مشکل تھا، مگر ان کے بعد بھی ہر زمانے میں ایسے لوگ ملتے ہیں، جو ان کی رائے کے موئید ہیں۔ جنوری ۱۹۲۶ء کے رسالہ التاظر میں ایک انعامی مضمون کا اعلان کیا گیا، جس کا موضع یہ تھا کہ عہد میر تقیٰ میر کے بعد سے اس وقت تک غزل گوئی میں کون شاعر ب سے زیادہ کامیاب ہوا ہے۔ فاضی علام امیر صاحب امیر بدایونی نے انعامی مقابلے سے اگر رہ کر ایک طولانی مقالہ لکھا جو بعد کو بہترین غزل گوئے کے نام سے ایک رحلے کی شکل میں چھپ گی اُس کا ایک اقتباس یہاں پیش کیا جاتا ہے۔

”اسی محترم ہستی (یعنی ڈدق) نے ”مکہ شعراء اور فاقاتانی ہند“ کے القاب سے دنیا کے شاعری میں شہرت پائی، سو دا اور میر کے بعد غزل اور دد کو بلند سے بلند درجے پر پہنچا دیا، مشکل سے مشکل مضمون کو اس آسانی سے کہہ دیا کہ دشوار پسند طبیعتیں آج تک جیران ہیں، بسند شوں میں صفائی کا زنگ دکھایا، مشکل اور سخت قوانی کو اس خوبی سے اپنی جگہ بٹھایا، کہ تعقید

بھی جو ایسے تو انی کو نظم کرنے میں لایدی ہے
 بھل معلوم ہونے لگی، فرب الامثال کو نظم کے
 سانچے میں دھال کر اپنے کمال کو ثابت کی،
 فارسی ترکیبیوں سے بھی نظم اور دو کو زینت دی
 عشق و حسن، درد و محبت، تصوف، فلسفہ، قدرت
 مرث و حیات کے مصنفوں سے غزل کے چمن کو
 سجا کر دنیا کے شاعری میں سیر و تفریح کا سامان
 مہیا کر دیا۔ اُس عہد کے ار باب سخن نے قدر
 و منزلت کی اور آج تک منصف مراجع اعتراضات
 کرتے ہیں کہ ملک لشیر ا شیخ احمد اہیم ذوق ا قلیم
 سخن کا ماکاں اور غزل اور د کا یادشاہ ہے۔ اُس کے
 کلام نے کبھی الفاظ کی مناسب نشست و برخات
 سے سهل متنع کا درجہ حاصل کر لیا ہے، کبھی مضامین
 کی ندرت سے بحال کو مکن کر دکھایا ہے۔ سداد
 اور پیغمبر کے بعد یہی دہ زبردست شخیقت ہے،
 جس نے نظم اور دو میں کاسیا بی کا انتشار حاصل

کے غزل کی شاعری کو کامیاب بنادیا ہے۔
قاضی صاحب نے ذوق اور غالب کی اردو شاعری کا تفصیل
کے ساتھ مقابلہ کرنے کے بعد آخوندہ میں یہ رائے ظاہر کی
ہے کہ ”ذوقِ مرحوم میر علیہ الرحمۃ کے بعد اردو غزل کا
بے سے زیادہ کامیاب شاعر تھا۔“

اسی رسائے میں ایک جگہ لکھا ہے کہ ”میری رائے میں آزاد
مرحوم نے حضرت ذوق علیہ الرحمۃ کی بابت جو کچھ لکھا ہے۔
وہ ذوق کے مرتبا شاعری سے بہت کم ہے۔“ اور اپنی
رائے کی تائید میں مولانا خضرت مولانی کا یہ قول پیش
کیا ہے۔

”غالب کے ہم عصر وہ میں اُستاد ذوق بے
زیادہ محاذ ہیں اور صرف اردو شاعری کے لحاظ
سے ذوق کا درجہ غالب سے بلند ہے۔“

مرحوم آمیر بدایونی کا پیش نظر مقاہ ۱۹۲۶ء کے اول
میں شائع ہوا تھا۔ خاپ جوش ملیانی نے ۱۹۳۳ء کے آخری

لہ بہترین غزل گو م۔ ۳-۲
لہ بہترین غزل گو م۔ ۲-۳

حصے میں ایک مقامہ شائع کیا جس کا عنوان ہے، ذوق سے
ما انصفافی؛

اس مقامے کے چند اقتباسات نقل کیے جاتے ہیں:-

”ذوق کا ایک شعر بھی ایسا نظر نہیں آتا، جس میں
غالب کی پیغمبریہ بیانی، دیسی فارسیت اور عجیب و
خوب ترکیبیں کی لپیٹ یہ آئے ہوئے مغلیق
مضامین موجود ہوں۔ غراحت کا سبق غالب کے
کلام میں تو اکثر جگہ نظر آتا ہے مگر ذوق کے کلام
میں اُس کا نشان تک نہیں ہے“

”محاذات زبان کو ایسی خوش اسلوبی سے باندھنا
کہ اُس سے بہتر اور کوئی اسلوب بیان خیال میں
نہ آسکے، کلام ذوق کی ایسی خصوصیت ہے، جو اسے
اہدو زبان کے تمام شعرا میں امتیازی درجہ عطا
کرتی ہے..... اس خصوصیت میں اُن کا اِ مقابل

کوئی بھی نہیں ہے ۔“

ذوق کے کئی شرمندال یہ پیش کر کے لکھتے ہیں۔ ”روز مرہ زبان اور محاودہ کی بندش کا یہ دلکش منظر فالب کے بیان بہت کم نظر آئے گا۔“

حیرت کا سقام ہے کہ اس امتیازی خصوصیت سے جس نے ذوق کے کلام کو سر حال بنادیا ہے، اور جس کی وجہ سے اُن کے صد ہائی اشعار میں ضرب المثل اور زبانِ زدھام ہونے کی صلاحیت پیدا ہوئی، افسان کی آنکھیں بند کر لی جائیں۔“

ذوق کے بہت سے جذباتی اشعار پیش کرنے کے بعد لکھتے ہیں:-

”ان اشعار میں بھی جذبات کی صیحہ تصویریں کتنی دلکش ہیں۔ اس قدر تی انداز بیان اور حلاوت زبان کی تالش کن الفاظ میں کی جائے۔“

غالب کی عظمت ثابت کرنے کے لئے اگر کلام غالب
کے محاسن کافی نہیں ہیں، اور ان کی فوقيت دوسرے
باکس لوں کی تذہیل و تحریر کی محتاج ہے، تو
یہ روشن فی الواقع کلام غالب ہی کی تو ہیں ہے:

”نفس ہے اُردو کے تنگ خیال غالب پرستوں
پر کہ اُنھیں حد سے بڑھی ہوئی خوش اعتقادی کے
جنون میں ددردیں کے ہنر عیوب نظر آتے ہیں۔“
حضرت جوشن مسیانی نے کلام غالب کا مطالعہ خوب
کیا ہے، یہاں تک کہ اُس کی مکمل شرح بھی لکھی ہے، جو
چھپ کر شائع ہو چکی ہے۔ مگر وہ بعض خصوصیتوں کی بنابر
ذوق کو غالب پر، بلکہ تمام شعراء اُردو پر ترجیح دیتے
ہیں۔ ان کا بھی بتاتا ہے کہ وہ ذوق کی عظمت کے کس قدر
قابل ہیں۔

آغا محمد باقر اپنی تایخ نظم و نثر اُردو میں
ذوق کے متعلق لکھتے ہیں:-

”نازک خیالی اور معنی آفرینی میں اگر چہ وہ غالب

سے کم ہوں، مگر سادگی، صفائی اور ترجمہ الفاظ
کے لحاظ سے وہ ان سے بہت آگے ہیں اور قصیدے
یہ تو ان کا کوئی مق بدنہیں کر سکتا ہے۔

ان سب چیزوں پر نظر کرنے کے بعد اس اعتراض کی
کیا دقت رہ جاتی ہے کہ آزادانے ذوق کے ساتھ بے جا
طرف داری اور غالب کے ساتھ عمداً نا انصافی کی ہے
یہ بھی یاد رکھتا چاہئے کہ آزادانے اپنی کتاب نیزگاں خیال
یہ جب شہرتِ عام اور بقاۓ دوام کا دربار لگا یا اور
اُردو شاعروں کو اس میں جگہ دی تو غالب کو کسی سے نیچے
نہیں بٹھا یا۔

ذوق اور ظفر سے آزادانے ذوق کے حال میں بعض
ہوتا ہے کہ بہادر شاہ ظفر کے کلام کا بیشتر حصہ ذوق کی
فکر کا نتیجہ ہے۔ بعض لوگوں کو یہ بات حقیقت سے دور معلوم

لہ تاریخ نظم دشرا اُردو میں ۲۵ غائب اگر چب سے بچے نہیں پر کسی
سے نیچے نہ ہے۔ (نیزگاں خیال حصہ ادل میں)۔

ہوتی ہے۔ وہ اپنے خیال کی تائید میں سب سے ٹری دلیل یہ پیش کرتے ہیں کہ ذوق اور طفر کے کلام کا رنگ ایک نہیں ہے۔

ذوق کا دیوان پہلے پہل اُن کے تین شاگردوں ظہیر ازدر اور حافظ دیوان نے مرتب کر کے ۱۷۹۲ھ میں شائع کیا۔ ازدر نے اُس کا دیباچہ فارسی میں لکھا۔ اُس میں وہ کہتے ہیں :-

”چهار دیوان مجلد بادشاہ..... متم و کمال درست کرده دچکیہ فہرست فکرش تو ان گفت“

یعنی شاہزادوں کے بیان کو قیاسی دلیلوں سے جانچنا ہمیشہ صحیح نتیجے نہ کہ نہیں پہنچتا۔ مشاق سخن در مختلف زنگوں میں غزل کہہ سکتے ہیں اور شاگردوں کی خزانوں پر اُنھیں کے رنگ میں مصلاح دے سکتے ہیں۔ دو رکیوں جائیے مولانا حضرت مرحوم کی وہ غزل جس کا مطلع ہے:-

چکے چکے رات دن آنسو بہانا یاد ہے

ہم کو اب تک عاشقی کا دہ زمانہ یاد ہے

عداً جرأت کے رنگ میں کمی گئی ہے۔ ایک دوسری غزل
جس کا مطلع ہے :-

پردے سے اک جھلک جودہ دکھلا کے رہ گئے
مشتاقِ دیدِ ادہ بھی لمحہ کے رہ گئے
صحفی کے رنگ میں کمی گئی ہے۔ کلیاتِ حضرت میں پہلی
غزل پر "تقلیدِ اندازِ جرأت" اور دوسری غزل پر
"پردوی طرزِ صحافی" لکھا ہوا ہے۔ ذوق بھی بڑے مشاق
اُتاد تھے۔ مختلف رنگوں میں غزلیں کہہ سکتے اور غزلوں
پر ہصلاح دے سکتے تھے۔ ظفر کے کلام کی ہصلاح کے
تعلق آزاد لکھتے ہیں :-

"ز جوان دلی عمد (ظفر) طبیعت کے بادشاہ
تھے۔ اِدھر یہ (ذوق) بھی جوان اور ان کی طبیعت
بھی جوان تھی۔ وہ (ظفر) جرأت کے انداز کو
پسند کرنے تھے اور جستراہات اور سید انشاد
صحافی کے مطلعے اور اشعار بھی لکھنے سے اکثر

آتے رہتے تھے۔ اُن (طفتر) کی غریس انہیں کے
انداز میں بناتے تھے۔^{۱۷}

آندر کا دہ قول اور آزاد کا یہ بیان، دونوں پر نظر کیجئے تو
کسی اعتراض کی گنجائش نہیں رہتی۔

آب حیات کے ماغزنا، عم نے مثال کے طور پر چند اعراض
صاف طاہر ہے کہ حضرت آزاد نے کوئی بات بغیر تحقیق
کیے ہوئے نہیں لکھی۔ اور جو اعتراض اُن پر کیے گئے
ہیں وہ زیادہ تر متصرضوں کی بدگانی، کم علمی اور تنگ
نظری کا نتیجہ ہیں۔ اللہی بعض کا تو کوئی علاج نہیں، ورنہ
اتنی مثالیں آزاد کی تحقیق سے حسن ظن پیدا کرنے کے
لیے کافی ہیں۔

آپ نے دیکھا کہ ایک تذکرہ قاسم کے تذکرے مجموعہ
نگز کے منظر عام پر آجائے سے آزاد کے کتنے بیانوں
کی تصدیق ہرگئی۔ آب حیات میں اور بھی بہت سی باتیں

ہیں جو اسی تذکرے سے مل گئی ہیں۔ غیر منقسم ہندوستان میں اُس کا صرف ایک نسخہ لکھا جو مصنف کے قلم کا لکھا ہوا اصل مسودہ ہے۔ اور یہ بھی حضرت آزاد کی ملک تھا، جراؤں کے کتب خانے سے منتقل ہو کر اب پنجاب یونیورسٹی لاہور کے کتب خانے کی زینت ہے۔

حافظ محمد شیرانی مجبو عہ نغز کے دیباچے میں لکھتے ہیں :-

”جس مخطوطے پر مطبوعہ متن یعنی ہے۔ وہ مجبو عہ

کتب مولانا محسین آزاد سے تعلق رکھتا ہے،

جو اب پنجاب یونیورسٹی کے کتب خانے کی ملک ہے۔

متعدد مقامات پر مولانا آزاد نے اُس پر مفہید
حوالشی کا اضافہ کیا ہے
.....

نسخہ ہذا مصنف کا اصل مسودہ معلوم ہوتا ہے

..... ایسے آثار اور علامات

کافی موجود ہیں جو اُس کی کتابت کو مستقلًا مصنف

کے ساتھ دوستہ کرتے ہیں۔“

آگے چل کر پھر لکھتے ہیں :-

”اس تالیف (مجموعہ نفرز) کی حقیقی دقت کا اُس دلت

اندازہ ہوتا ہے۔ جب مولانا محمد سین آزاد کی مشہور

عالم تصنیف آب حیات کی درق گردانی کی جاتی ہے۔

مولانا نے اگرچہ ہر قریب اس تالیف سے استفادے

کا اٹھا رہ نہیں کیا ہے۔ تاہم وثوق کے ساتھ کہ

جا سکتا ہے کہ آب حیات کا ایک بڑا حصہ اس تذکرے

سے ماخوذ ہے۔“

افسوس ہے کہ مولانا آزاد کا بیش قیمت کتب خانہ، جو کمیاب

کتبوں کا خزانہ تھا، آگ کی نذر ہو گیا۔ یہ آفت نہ پیش

آئی ہوتی تو آب حیات کے کل ماخذوں کا پتہ لگ جاتا۔ اور

اگر کہیں مجموعہ نفرز کا مسودہ بھی تلمیح ہو جاتا، تو بدگمان

نقادوں کے کتنے بے بنیاد اعتراف حقیقت کے لباس

میں جلوہ گر رہتے، اور حقیقت منہ دیکھتی رہتی۔

آزاد کے بیشتر بیانات مستند کتابوں سے ماخوذ ہیں۔

مگر اُنھوں نے محترمہ معتبر بزرگوں سے جو کچھ سننا تھا اُس کو بھی اپنی کتاب میں درج کر دیا ہے۔ ہمارے متاز شخرا کے مغلق جور دا ایس سینہ پہ سینہ چلی آتی تھیں، اُن کو محفوظ کر دینا بھی ایک اہم ادبی خدمت تھی۔

آنزاد کے زمانے تک یہ دستور نہ تھا کہ جوبات کی جائے اُس کے لیے سند پیش کی جائے اور مأخذ کا حوالہ دیا جائے۔ اُنھوں نے بھی بہت سی چیزیں نہایت معتبر مأخذوں سے لی ہیں، مگر اکثر مقامات پر اُن کا حوالہ دینے کی ضرورت نہیں سمجھی۔ مثلاً مرزا منظر سر کے حال میں لکھا ہے:-

”تل بر س کی عمر تھی کہ باپ مر گئے۔ اسی وقت سے مشت فاک کو بزرگوں کے گوشہ دامن میں باندھ دیا تیس بر س کی عمر تک مدرس اور خانقا ہوں میں جھاؤ دی اور جو دن بہار زندگی کے پھول ہوتے ہیں اُنھیں بزرگوں کے رد فنوں پر چڑھا دیا۔“

یہ بیان مرزا منظر کے اس قول کا ترجیح ہے جو اُن کے

فارسی دیوان کے دیباچے میں موجود ہے گر آزاد نے اُس کا
حوالہ نہیں دیا :-

”در سال شانزدہ از عمر بمردمے این فاکار غبار
پیغمی نشت مشت خاک خود را بدامان
دیرشان بست دمت سی سال در مدرسه و خانقاہ
جاروب کش دایام گزیده عمر درمی شغل شریف
گزرا نیست“^۱

آزاد نے زیادہ تر کتابوں کے حوالے اُن موقعوں پر ہیے
ہیں، جہاں کہیں مصنف نے عام خیال کے خلاف کوئی بات
کہی ہے۔ پھر بھی جن کتابوں کے حوالے آب حیات میں لمحے
ہیں اُن کی تعداد کم نہیں ہے۔ ذیل میں اُن کتابوں کی فہرست
پیش کی جاتی ہے :-

(۱) سنکرت لغت از ہیم چند

(۲) شکفتلاناہمک از کالی داس

(۳) عہد راجہ بھوج کی نامک لپتکیں

- (۳) پر نقوی راج ناس از چند کوئی
- (۴) کلام کبیر صاحب
- (۵) کلام سور داس
- (۶) جپ جی از گرد نامک
- (۷) ترجیہ شکفت لانامک از نواز کوئی
- (۸) پد مادت از ملک محمد جائی
- (۹) رامان از تلسی داس
- (۱۰) قرآن السعدین از امیر خسرو
- (۱۱) خالق باری از خرد
- (۱۲) حامد باری از حامد
- (۱۳) تزک جهانگیری از جهانگیر
- (۱۴) نامدنامہ از عبد الکریم
- (۱۵) روضۃ الشہدا از سید وادکنی
- (۱۶) مراثی "
- (۱۷) نور المعرفت از دلی دکنی
- (۱۸) تذکرہ نکات الشعرا از میر تقی یہسے
- (۱۹) تذکرہ شعراء از مرزا سودا

- (۲۱) تذکرہ فارسی از مصحفی
- (۲۲) تذکرہ شعراء از قدرت اللہ قادر
- (۲۳) تذکرہ شعراء از شورش
- (۲۴) تذکرہ گلزار ابرہیم از ابراہیم فال خلیل
- (۲۵) تذکرہ گلشن بے خار از مصطفیٰ خاں شفیقہ
- (۲۶) تذکرہ سراپا سخن از محسن
- (۲۷) تذکرہ شعراء از ناق
- (۲۸) تذکرہ دلکشا
- (۲۹) دہ مجلس از فضل
- (۳۰) نرشعلہ عشق از مرزا سودا
- (۳۱) ترجمہ قران از شاہ عبد القادر
- (۳۲) رسائل اردو از مولوی سماعیل
- (۳۳) خرطیہ جواہر از مرتضیٰ منظہر
- (۳۴) معمولات منظری از شاہ نعیم اللہ
- (۳۵) لقائیف خواجہ سیر درد
- (۳۶) دریائے لطافت از انت
- (۳۷) چار شربت از قسیل

- (۳۸) قواعد اُردد ... از بان گلکراٹ
- (۳۹) تلمذیں معلّی ... از نواب کلب حسین فان نادر
- (۴۰) عبرت الغافلین ... از مرند اسودا
- (۴۱) مجلس رنگیں ... از رنگیں دہلوی
- (۴۲) مجموعہ غزلیات قلمی نوشته شاہزادہ
- (۴۳) مجموعہ سخن
- (۴۴) نظرے ز مرصع ... از حسین عطا فان تحسین
- (۴۵) ترجمہ اخلاق محسنی
- (۴۶) باغ و بہار ... } از سیراس
- (۴۷) باغ اُردد ... }
- (۴۸) آرائشِ محفل ... } از سیر شیر علی افسوس
- (۴۹) بیال پیسی ... از منظر علی والا
- (۵۰) پرمیم سگر ... از بلوجی لآل
- (۵۱) مکاتبات ... از ابوفضل
- (۵۲) رتحات مرزا قنیل
- (۵۳) اُرددے معلّی ... } از غائب
- (۵۴) عود ہندی ... }

یہ فہرست سرسری طور پر تیار کی گئی ہے اور اس کے مکمل ہونے کا دعویٰ نہیں کیا جاتا۔ ان کتابوں سے زیادہ تعداد اُن دیوانوں، شنویوں وغیرہ کی ہے، جن کا آب حیات کی تصنیف کے سلسلے میں مصنف کو گرا مطالعہ کرنا پڑتا ہے۔ اُن کتب بول میں بعض ایسی ہیں جو اب نایاب ہو گئی ہیں اور بہت سی ایسی ہیں جو چھپ کر عام ہو گئی ہیں۔ مگر آزاد کے نامے میں غیر مطبوعہ اور کیا ب تھیں۔

آزاد کے ساتھ بے الفاظی حقیقت یہ ہے کہ جس محنت در ختنی تحقیق سے آب حیات لکھی

گئی ہے اُس کی شاید اُردو کے کتابی ذخیرے میں بہت کم ہیں۔ مگر اس کے صلے میں مصنف کو کیا ملا؟ طعن و تشذیع کے نشر، سب و شتم کے تیر، الزام و اتهام کی برجھیاں ! عربی کا مشور مقولہ مَنْ صَنَّفَ فَقَدْ إِسْتَهْدَ فَ اُردو کے کسی دوسرے مصنف پر اس طرح صادق نہیں آتا جس طرح حضرت آزاد پر جس شخص نے اُردو کی خدمت میں جان کھپا دی، اپنی بے نظر تصنیفوں سے اُردو مالا مال کر دیا، اُردو ادب و شعر کی اصلاح و ترقی کے

راستے دکھائے، جس نے آب حیات کی سی پر از معلومات اور زندہ جاوید کتاب دی۔ اُس کی ساری مختوں پر بے درد انہ تنقید اور بے بنیاد الزامات سے پانی پھیر دنیا احسان فراموشی کی انتہا ہے۔

آزاد کے بے درد معتبر صنوں میں تریا دہ تر جبل مرکب میں گرفتار ہیں، اگر کچھ تعصیب کے شکار اور کچھ حد کے ملیغ بھی ہیں۔ آزاد کو اپنی زندگی میں ان معتبر صنوں سے جو تسلیف پہنچتی رہتی تھی اُس کا کچھ اندازہ ذیل کی عبارت سے ہو سکتا ہے۔ وہ اپنی کتاب دربار اکبری میں شیبان خاں کے حالات کے سلسلے میں اہل حد کا ذکر کرنے کے بعد لکھتے ہیں :-

آزاد بھی ایسے ہی بے لیاقت، بد اصلاح حاردو
کے ہاتھ سے داغ داغ بیٹھا ہے... . یہ ناہل
خود کچھ نہیں کر سکتے اور وہ کوڑ ڈھونڈ ڈھونڈ کر
لاتے ہیں اور سورجے باندھتے ہیں... . خیر آزاد
بھی پردہ نہیں کرتا، اپنے تینیں خدا کے اور بھیں
زنانے کے حوالے کر دیتا ہے۔ اُن کے اعمال ہی

اُن سے سمجھ سمجھا لیتے ہیں۔“

آب حیات کا اسلوب | معنوی حیثیت کے متعلق چند باتیں
 اس مختصر درسالے میں آب حیات کی عرض کر دی گئی ہیں۔ اُس کی لفظی، ادبی یا انسانی حیثیت بھی بہت اہمیت رکھتی ہے۔ اتنی اہمیت کہ اگر مطالب کے اعتبار سے کتاب بالکل غیرمعتبر پڑھتی تو بھی انشا پر دازی کے لحاظ سے اُس کا شمار اُردو کی بہترین کتابوں میں ہوتا۔
 اُردو ادب اگر آب حیات کے مقابلے میں کوئی چیز پیش کر سکتا ہے تو وہ حضرت آزاد ہی کی دوسری تصنیفیں ہیں۔ یعنی قصص الہند، دربار اکبری، نیرنگ خیال سخنان فارس۔ آزاد کی انشا پر دازی ایک طولانی بحث چاہتی ہے۔ اور اس وقت وہ بحث چھپڑنا منظور نہیں، صرف اتنا کہہ دوں کہ آزاد کا دماغ جو کچھ سوچتا ہے اور اُن کا دل جو کچھ محسوس کرتا ہے، اُن کا قلم پوری قوت اختصار، حسن اور اثر کے ساتھ ان دونوں چیزوں کی ترجمانی

پر کیک وقت کرتا چلا جاتا ہے۔ مثال کے لیے آ. بحیات کے خاتمے، کی عبارت یہاں نقل کی جاتی ہے۔ یہ عبارت جتنی طویل ہے اُس سے زیادہ ا، بھم ہے۔ اس میں مصنف نے اپنے مخصوص انداز میں بتایا ہے کہ اُردد کے قدم غزل گو شاعروں نے زبان اور شاعری کی کیا خدمت کی ہے۔ اُن کے کلام کے عارضی اور داعمی عنصر کیا ہیں اور اُردد کی جدید بالقصید شاعری میں اُس سے کیا مدد مل سکتی ہے، یا یوں کہیے کہ اُن کے کلام کی قدر و قیمت پہلے کیا تھی، اب کیا ہے اور آئندہ کیا ہوگی اور یہ ب کچھ اس طرح کہا ہے کہ مصنف کو اُردد شاعری کے ان معماً روں سے جو لا انتہا محبت اور عقیدت تھی وہ لفظ لفظ سے جھک رہی ہے اور سہاری رگ رگ میں سائی جاتی ہے۔

آ. بحیات کا خاتمہ

کر دوڑ نہیں ہو چکا۔ ہندستان کی پرانی ہدم یعنی عاشقانہ شاعری ہر چلی اور اس کی ترقی

کا چشمہ بند ہوا۔ اہل شاعرہ نوہ خوانی
 کر رہے ہیں کہ اے صدر نشینو! تم پھلے اور حسن
 دعشق کے جسہ پھے اپنے ساتھ لے چلے۔ کیونکہ
 متاعِ عشق کے بازار تھے تو مختارے دم سے
 تھے، بگار حسن سے سنگار تھے تو مختارے قلم
 سے، تم ہی قیس دکو ہکن کے نام لینے والے تھے،
 اور تم ہی یملی و مجنوں کے جوبن کو جلوہ دینے والے۔
 لیکن اجامت نی کی پرستش کرنے والے ہیں جو
 کہتے ہیں کہ تم گئے اور مشاعرے ہو چکے۔ نہیں
 نہیں۔ مختاری تصنیفیں، تایفیں، حکایتیں اور
 روایتیں جب تک موجود ہیں، تم آپ موجود ہو۔
 مختارے نخسر کی دستار میں اپنے تحیین داؤ فریں
 کے پھولوں سے تاجدار ہیں جو ہمیشہ لعلماتے
 رہیں گے اور گلے میں اُن سدا بہار پھولوں
 کے ہار ہیں، جن تک کبھی خسراں کا ہاتھ
 نہ پہنچے گا۔

حیاتِ روام کا خدائی چشمہ جاری ہے۔

جس کے کن رے پر عمد بعد پانچوں جلے
 جھے ہوئے ہیں۔ آج بحیات کا دور جل رہا ہے
 چھٹے کا پانی زمانے کے گزرنے کی تصویر کھینچتا
 ہے اور مو جیں ظاہری زندگی کو الوداع
 کہتی چلی جاتی ہیں۔ تھارے جلے اپنے اپنے
 عمد کی حالت خاموشی کی بولی میں بیان
 کر رہے ہیں۔ تھارے مقلاں و عالات اُس
 زمانے کی جیتی جاگتی بولتی چالتی تصویریں
 ہیں۔ گویا بے زبان مردیں سنہ سے بول رہی ہیں،
 خیالی صورتیں اپنی چال ڈھال ایسی ہے مکلف
 دکھارہی ہیں کہ کوئی زندہ انسان اس طرح
 کھلے دل سے کام نہیں کرتا۔ تھاری زندگی عجب
 لطف کی زندگی ہے۔ کوئی بُرا کے تھیں رنج نہیں
 اچھا کے تر خوشی نہیں۔ تھیں کل آذار نہیں
 دے سکت۔ تم سے کسی کو رنج نہیں پہنچ سکت
 اللہ اللہ امن دامن کی دنیا کے لوگ ہو کہ چپ
 چاپ آرام کے عالم میں نجنت گزران کرتے ہو۔

تم میں آواز نہیں گم رنگارنگ کی بولیاں بول
رہے ہو۔ تم وہ ہو کہ نہیں ہو، مگر ہو۔ مر گئے
ہو۔ پھر بھی زندہ ہو۔ اے کاغذی خانقاہوں کے
بنے والو! سچا ری تصنیفات سچا رے آباد گھر
ہیں۔ جب آنکھیں کھلتا ہوں تم نقش درود
کے بس پہنچتے ہنستے بولتے، پھر نے چلتے نظر
آتے ہو۔ اور دیلے، ہی نظر آتے ہو جیسے کہ
تھے۔ زمانہ سال سال کی مسافت دور نکل آیا
اور سیکڑوں برس آگے بڑھا اور بڑھ جائے گا
مگر تم اپنی جگہ پرستور قائم ہو۔ سچا رے اعمال
درافعال کے پہنچے سچا ری تصنیفیں ہیں۔ اُن کی
زبانی آئندہ سنلوں سے اپنے دل کی باتیں
کہتے رہو گے۔ نصیحتیں کر دے، سمجھاتے رہو گے،
غلیظ دلوں کو بہلا دے گے، مردہ طبیعتوں میں
جان ڈالو گے، تمہم آرزو دوں کو چکا دے گے، سوتے
دلوں میں گد گدی کر دے گے، خوشی کو اُدا سی
کر دے گے، اُدا سی کو خوشی کر دے گے۔

آئے با اقبال گداو! اے شاہنشاہ
 خاکاردا! بھتاری نیک نیتی اچھے وقت بھیس
 لائی۔ مگر انوس کر بھتاری شاعری نے بہت
 کم عمر پائی۔ قسمت نے بھیس اچھے سامان
 اور اچھے قدر دان دئے۔ جن کی بد دلت
 جو ہر طبعی اور جوش اصلی کو اپنے اور اپنے
 شوق کے پروار کرنے کے سامان لے۔ اب نہ وہ
 سامان ہوں گے، نہ دیے تقدیر دان ہوں گے
 نہ کوئی اُس شاخ کو ہزار کھل کے گا، نہ تم سے
 بڑھ کر اُس میں پھل پھول لگا کے گا۔ ہال
 بھتاری لکیر دن کے نقیض بھتارے، ہی ابھر
 درصل اور خط و فال کے مضمون لیں گے، ان ہی
 لفظوں کو ایش پیش ہوں گے، اور بھتارے چبائے
 نوازوں کو منتہ یہ پھرا تے رہیں گے۔
 تم نے شہرتِ عام اور بقائے ددام کے
 ایسے عالی شانی محل تیسہ کئے ہیں کہ صد ہا سال
 کی مسافت سے دکھائی دیتے رہیں گے۔ دہ فلک

کے صدموں اور انقلاب کے طوفانوں کو خاطر
میں نہیں لاتے اور زمانے کے زلزلوں کو ہنس کر
کہتے ہیں کہ بھلا آؤ تو سی!

”اگر چہ زیادہ تر عمارتیں تھارے حسن و
عشق کے جبلوس کے لیے ہیں، مگر ان میں بھی
تر نے ایسے سامان اور مصالح لگادے ہیں،
کہ آئندہ نسلیں جس غرض سے چاہیں گی عمارتیں
بنائیں گی اور تھاری صنعتوں سے بہت کچھ
مد پائیں گی۔ جن پھرزوں کو تم نے منبت اور
گلکاری سے تراش کر فقط خوشناہی کے لیے لگایا
تھا۔ ہم انھیں دہاں سے نکال لیں گے، شکریہ
کے ساتھ آنکھوں سے لگائیں گے اور ان سے
کسی ایسی محراب کو زینت دیں گے جو اپنی
 مضبوطی سے ایک ایک ملکی ایوان کو استحکام
دے، اور دلوں کو خوشناہی سے شکفته کرے۔
کیونکہ تھارے لفظوں کی عمدہ تراشیں اور
اُن کی پسندیدہ ترکیبیں، استھانے اور تشبیہیں

اگرچہ عاشقانہ مفہایں میں ہیں، پھر بھی اگر ہم
سلیقہ اور امتیاز سے کام میں لا میں گے تو علوم
فنون، تاریخ وغیرہ عام مطالب میں ہماسے
ادائے مقاصد اور اندازہ بیان کے لیے عمدہ
معاذن اور کار آمد ہوں گے۔ اے ہماسے رہنماؤ!
تم کیسے مبارک قدموں سے چلے تھے اور کیسے
برکت والے ہاتھوں سے رستے میں چسرا غر کھٹے
گئے تھے، کہ جہاں تک زمانہ آگے ٹڑھتا ہے
محمارے چراغوں نے چسرا غر جلتے جلے جاتے
ہیں اور جہاں تک ہم آگے جاتے ہیں بحقاری
ہی روشنی میں جاتے ہیں۔ زرداں برکت والے
قدموں کو آگے ٹڑھا دکر میں آنکھوں سے
گاؤں۔ اپنا مبارک ہاتھ میرے سر پر رکھو
اور میرے سلام کا تحفہ قبول کر لے۔“

آزاد کی عبارت ہے کہ لفظوں کا ایک گلزار ہے جس میں معنی کی

بھار آئی ہوئی ہے۔

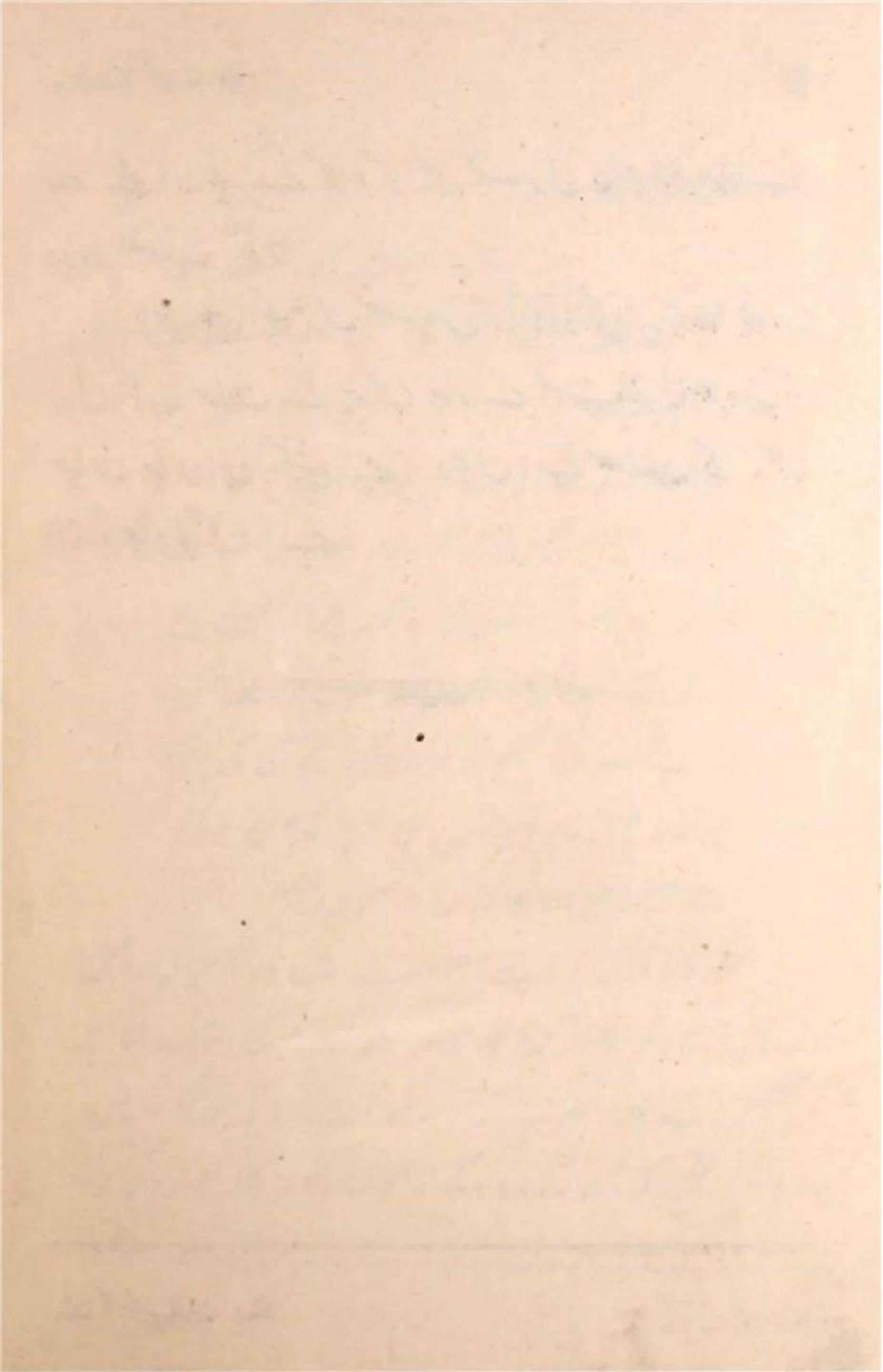
آزاد کی کامیابی | آب حیات جس مقصد سے تصنیف کی گئی تھی وہ مصنف کے اس

قول سے ظاہر ہے۔

”خیالات مذکورہ بالانے مجھ پر واجب کیا کہ ۷۰
حالات ان بزرگوں کے معشوم ہیں، یا مختلف
تذکرہ دیں مسفرق مذکور ہیں، انھیں جمع
کر کے ایک جگہ لکھ دد د اور جہاں تک ممکن
ہو اس طرح لکھوں کہ ان کی زندگی کی بولتی
چالتی، چلتی پھر تی تصویر یہ آن کھڑی ہوں
اور انھیں حیات جادوں حاصل ہو۔“

حضرت آزاد کو اپنے مقصد میں وہ کامیابی حاصل
ہوئی جو بہت کم مصنفوں کو میسر ہوئی ہوگی۔ آب حیات
کی تکمیل کے بعد حضرت آزاد نے خدا کی درگاہ میں
یہ دعا کی تھی کہ ”بزرگوں کے ناموں اور کلاموں کی برت

سے مجھے اور سیرے کلام کو بھی قبول عام اور بقاء
دوسرا فیض ہے۔“
اس میں کچھ شک نہیں کہ آزاد کی یہ دعا قبول
ہوئی۔ آب حیات نے جہاں ہمارے ممتاز شاعروں کو
حیات جادو دانی بخشی ہے، وہاں اپنے مصنفوں کو بھی
زندہ جاوید کر دیا ہے۔



پروفیسر سید حسن رضوی کی دوسری کتابیں

ہماری شاعری۔ پانچواں ایڈیشن (راجہ رام کمار پس)
اُردو زبان اور اس کا ربجم خط.... (دانش محل)

ترتیب: —

فیض بیر
محالس رنگیں
نظم اُردو

جو اپرخن ... جلد دوم (ہندوستانی اکادمی)
فرہنگ امثال (رام دیال)

روح اُمیں (اٹلین پریس)

دیوان فائز (احسن ترقی اور دو)

شاہکار اُمیں (نظمی پریس)

نضرقاتِ عالیہ دارالا شاعر راپور

ترجمہ :-

امتحان وفا

ضمیمه

ناسخ کے بارے میں آزاد کے بعض بیانوں کی تصدیق

آزاد نے شیخ ناسخ کی تصنیفوں کے سلسلے میں لکھا ہے ”دیوان تین ہیں مگر دو مشہور ہوتے“ یہیں کلیاتِ ناسخ کے مطبوعہ نسخوں میں صرف دو دیوان نظر آتے ہیں اس لئے بعض لوگوں کو آزاد کا یہ قول قابلِ اعتراض معلوم ہوتا ہے۔ مگر حقیقت یہ ہے کہ ناسخ کے مطبوعہ کلیات میں جس کو تم اُن کا فقط دوسرا دیوان سمجھتے ہیں وہ دوسرے اور تیسرا دیوالوں کا مجموعہ ہے۔ اس دعوے کی دلیل یہ ہے کہ کلیاتِ ناسخ کا پہلا ایڈیشن جو میر حسن رضوی مالک مطبع حسنی کی فرماںش اور حاجی محمد حسین کے اہتمام سے مطبع محمدی، لکھنؤ میں شیخ ناسخ کے انتقال کے صرف چار سال بعد ۱۲۵۹ھ میں چھپا تھا اُس کی عبارتِ خاتمة سے معلوم ہوتا ہے کہ میر حسن رضوی رُمیں محلہ محمود نگر (لکھنؤ) دل دیر حسین عرف میر کامل کے دل میں پہلے پہل ی خیال پیدا ہوا کہ ناسخ کا کلیات چھاپنا چاہئے۔ چنانچہ اُن کی فرماںش سے یہ کلیات یوں مرتب کیا گیا کہ پہلا دیوان مفتون میں، دوسرادیوان حاشیے پر، اور تیسرا دیوان بھی حاشیے پر دوسرے دیوان کی ہر ردیف کے ضمیمے کے طور پر، اور شنوی، رباعیاں، اور تاریخیں بھی مفتون میں اور بعض تاریخیں اور رباعیاں حاشیے پر درج کی گئیں۔ اس مقام کی اصل فارسی عبارت یہ ہے :

دیوان اول مسمی بـ دیوان ناسخ در مفتون، دیوان دوم مسمی بـ دفتر پریشان بر حاشیہ،
دو دیوان سوم مسمی بـ دفتر شعر بر حاشیہ در ہر ردیف بـ ضمیمہ دفتر پریشان، و غنڈی و
رباعیات و تاریخ نایز در مفتون، و بعض از تاریخ نایز در رباعیات بر حاشیہ۔

اس عبارت سے صاف ظاہر ہے کہ کلیاتِ ناسخ کے اس ایڈیشن میں تیسرا دیوان کی ہر ردیف کی غنڈیں دوسرے دیوان کی اُسی ردیف کی غنڈیوں میں شامل کر دی گئی ہیں۔ اس طرح جو ناسخ کا

صرف دوسرے دیوان معداد ہوتا ہے وہ حقیقت میں کچھ دوسرے اور تفسیرے دیوان کا جموعہ ہے۔
 کلیات ناسخ کے اسی ایڈیشن میں "حبارت فاتحہ" سے کچھ بیٹے ایک اور فارسی حبارت ہے
 جس کا خلاصہ یہ ہے کہ پہلے دیوان کا تاریخی نام ناسخ کے شاگرد میاں غنی نے دیوان ناسخ رکھا جسکے
 عدد زبردستیات کے قاعدے سے بارہ سو تیس (۱۲۳۲) نکلتے ہیں اور یہی اس دیوان کی تالیف کا
 ہجری سال ہے۔ دوسرے دیوان کا تاریخی نام خود مصنف نے دفتر پریشان رکھا، اسلئے کہ وہ البا
 کی آمد و رفت کی پریشانی کے زمانے میں مرتب ہوا تھا اس نام سے اُس کا سال تالیف ۱۲۳۴
 نکلتا ہے۔ تفسیرے دیوان کا تاریخی نام ناسخ کے شاگرد رشک نے فتر شعر کھا جس کے عدد
 بارہ سو چون نکلتے ہیں۔ ناسخ کا انحراف ۱۲۵۰ھ میں ہوا۔ اسلئے فربن قیاس ہے کہ اُن کا تفسیر دیوان
 اُن کے سامنے مرتب نہیں ہوا۔

اُس زمانے میں کسی دیوان کی تکمیل کیلئے یہ ایک ضروری شرط تھی کہ اُس میں ہر حرف کی
 ردیف میں عز لیں موجود ہدل۔ غالباً ناسخ کی عز لیں کا یہ آخری جمیونہ اس اعتبار سے کامل دیوان
 نہیں سمجھا جا سکتا تھا۔ اور شاید یہی سبب تھا کہ اس جمیونے کو علیحدہ مستقل دیوان کی صورت میں شائع
 کرنا مناسب نہ معلوم ہوا اور جتنے ردیفوں کی عز لیں اُس میں موجود تھیں وہ دوسرے دیوان کی
 ان تھیں ردیفوں میں شامل کر دی گئیں۔

کلیات ناسخ کے اس پہلے ایڈیشن کی کتابت بعد الحجی ولد مولیٰ عبدالستار نے یلوی نے کی
 تھی جو مشہور خوشنبہ میں افظاظ نور الدین کے شاگرد تھے اور اس کی تصحیح کا خاص اہتمام کیا گیا تھا۔ پھر بھی
 اس میں طباعت کی اتنی خلطیاں رہ گئیں کہ میر علی اوس طرش کا کو سات صفحے کا طوالی غلط نام پھر اکر
 آخر میں لگا ناپڑتا۔

کلیات ناسخ کا دوسرہ ایڈیشن شہزادہ مرزا فرخزاد بخت بہادر کی فرمائش اور داروغہ
 موسن علی کے اہتمام سے مطبع مولائی میں ۱۲۶۰ھ میں چھپا۔ یہ مطبع لکھنؤ میں راجہ کیف رائے
 کی بازار میں واقع تھا۔ اس میں وہی پہلے ایڈیشن والی ترتیب قائم رکھی گئی۔ اس کے

خاتمے پر یہ عبارت ملتی ہے:-

"دیوانِ ادلِ مسٹی پر دیوان ناسخ در ملن، و دیوانِ ددم مسٹی پر دفترِ پیشان
پر حاشیہ، د دیوانِ سوم مسٹی پر دفترِ شعر در ہر دلیلت مخفی پر دفترِ پیشان
یہ دوسرا ڈیشن پہلے ایڈیشن کی صفحہ ہے صفحہ نقل ہے۔ ان دونوں ایڈیشنوں
کے دو دو نسخے میرے کتب خانے میں موجود ہیں۔ بعد کو یہ کلیات متعدد در تباہ مطبع
نzel کشور لکھنؤ میں چھپا، مگر غزلوں کی ترتیب میں کوئی تغیر نہیں کیا۔ اس لئے اُس
میں بھی بظاہر ناسخ کے دو دیوان، لیکن در حقیقت تینوں دیوان شامل ہیں۔
دیوان ناسخ کے چار قلمی نسخے بھی میرے کتب خانے میں موجود ہیں۔ اُن میں تین
نسخے پہلے دیوان کے ادرایک د سرے دیوان کا ہے۔ اگر ناسخ کے دو سرے دیوان
کے قلمی نسخے کاؤن کے مطبوعہ دیوانِ ددم سے مقابلہ کیا جائے اور مطبوعہ دیوان
سے دہ غزلیں نکال لی جائیں جو قلمی نسخے میں نہیں ہیں تو اُن غززادل کے مجموعے سے
ناسخ کا تیسرا دیوان بن جائے گا۔"

آزاد نے لکھا ہے کہ ناسخ کو معتهد الدوہ آغا میر نے ایک قصیدے کے صلے میں
سو لاکھ روپیہ دیا۔ بعض لوگوں کو اس بیان کی صحت میں بُشہہ ہے، کیونکہ ان کے
خیال میں ناسخ نے کوئی تعییدہ کہا ہی نہیں۔ مگر میرے کتب خانے کے قلمی
نسخوں میں کئی فارسی قصیدے اور قطعے اور متعدد دار دہ غزلیں اور شنویاں وغیرہ
ایسی موجود ہیں جو مطبوعہ نسخوں میں نہیں ہیں۔ ایک نسخے کے آخر میں نواب
معتمد الدوہ (آغا میر) کی مدرج میں ناسخ کا ایک فارسی قصیدہ درج ہے۔
یہ ترجمہ شعر کا قصیدہ صنعت تو شیخ میں ہے۔ اس کے ہر مصنوعے کا
پہلا حرف لے لینے سے اُس کے عنوان کی عبارت بن جاتی ہے، جو
حسب ذیل ہے:-

”مدارالمہام عمدۃ الامر افرزندار جمندیار و فادار سپالار لذاب معمد الدوڑھ“

مختار الملک سید محمد حال بہادر ضیغم جنگ فدوی شاہ زمین بادشاہ

غازی خلداد شاہ ملکہ“

آزاد نے غالباً اسی قصیدے کی طرف اشارہ کیا ہے۔ ایک دوسرے قلمی نسخے میں آغا میر کی مدح میں ناسخ کے دو فارسی قصیدے اور بھی ہیں۔ ایک کی ردیف ”معتمد الدوڑھ بہادر“ اور دوسرے کی ”ضیغم جنگ“ ہے۔ مگر مذکورہ بالا قصیدہ ان دونوں قصیدوں سے بہت بڑا ہے اور اس میں صنعت تو شع کی وقت طلب قید بھی لگائی گئی ہے۔ اس کے علاوہ اس قصیدے میں وزیر کی مدح کے ساتھ ساتھ بادشاہ کی مدح کا احترام کیا گیا ہے۔ آغا میر نے جو اس قصیدے کا اتنا کمال قدر صلح دیا تو اس میں اُستاد لذبی کے جذبے کے علاوہ بادشاہ کی مدح کا احترام اور اس کی نظر میں سُرخ ردیٰ حاصل کرنے کا مقصود بھی مد نظر رکھا ہو گا۔ اس قصیدے کے ابتدائی چند شعر یہاں نقل کیے جاتے ہیں جن کے ہر مترے کا پہلا حرف لینے سے قصیدے کے عنوان کا پہلا لفظ ”مدارالمہام“ بن جاتا ہے:-

مذکوح زبدہ اولادِ حیدر کرار	ولاد سیلہ، خیر و صلاح خود پنڈار
اگر اطاعتِ حکم مودتِ قرباست	روہ نجات زاغوں ساں وآل مگزار
اذین عمل عمل نیست خوتیر که خدا	لب ددہان وزبان داد بہر ایں لگفار

مرا لگھے ست بھارِ حدیقہ، عالم	ہزار بار مگویم بباع پیش ہزار
ازآل گل است ہر قبض و بسط غنیو دگل	معطر است ببویش مشام ہر گلزار

آزاد نے ناسخ کے متعلق لکھا ہے کہ ”شیخ صاحب کا مذہب پہلے سنت و جماعت تھا، پھر مذہب شیعہ اختیار کیا۔“ ان کے اس قول کی تصدیق یوں ہوتی ہے کہ لکھنؤ کے مضافات میں گومتی ندی کے کنارے گٹو گھاٹ کے پاس ایک ٹیلے پر ایک صوفی

بزرگ شاہ نصرت اللہ خلوتی کار درضہ خانقاہ، اور مسجد بنی ہروئی ہے۔ شاہ صاحب کے موجود سجادہ نشین شاہ عبد الرحیم صاحب کا بیان ہے کہ یہ تینوں عمارتیں اکبر بادشاہ کے عہد میں خود بادشاہ کے حکم سے بنوالی گئی تھیں۔ اکبر نے ان عمارتوں کی نگداشت اور عرس وغیرہ کے مصروف کے لئے سات گاؤں کی معافی عطا کی تھی مگر اب صرف ایک گاؤں باقی رہ گیا ہے، جس میں یہ روضہ واقع ہے اور جو اسی سبد سے "روضہ کاؤں" کہلاتا ہے۔ راقم نے اس گاؤں میں جا کر اس روضے کو دیکھا جس بلند آراضی پر یہ واقع ہے اُس کا رقمبہ بھی بہت وسیع ہو گا مگر اب لوگوں نے کھود کھو دکر اور برسات کے پانی نے کاٹ کاٹ کر اُس سے بہت چھوٹا کر دیا ہے۔ یہ قطعہ آراضی اہل سنت کا قبرستان بن گیا تھا۔ اُس میں متعدد پختہ قبریں اب بھی موجود ہیں۔ انھیں میں ناسخ کے والدین کی قبریں بھی ہیں۔ اُن کے سرہانے کے طاقوں میں پتھر پر تاریخ کا ایک ایک مهر عکنده ہے اور مصرع سے جو تاریخ نکلتی ہے وہ بھی اُس کے نیچے درج ہے۔ وہ مصرع حب ذیل ہیں:

"پیکرا ملہر اُم ناسخ" — "وگور پدر جلینل ناسخ"

یہ مصرع بتاتے ہیں کہ ناسخ کی والدہ کا انسفال ۱۱۹۹ھ میں اور والد کا ۱۲۱۶ھ میں ہوا۔ ناسخ کے والدین کا اہل سنت کے قبرستان میں دفن ہونا ثابت کرتا ہے کہ وہ مذہباً اہل سنت تھے اور اس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ ناسخ بھی ابتدائی عمر میں سنی تھے لیکن اُن کے کلام سے، بالخصوص اُن کی مشنیوں سے اُن کا شیعہ ہوتا ثابت ہوتا ہے۔ اس سے یہ امر بالکل واضح ہو جاتا ہے کہ بعد کو انھوں نے اپنا آبائی مذہب ترک کر کے مذہب شیعہ اختیار کر لیا تھا۔

آبیات میں ناسخ کی ایک مشنی کا نام نظم سراج ملتا ہے۔ معلوم نہیں

کر یہ مصنعت کا سارہ قلم ہے یا کاتب کی اصلاح۔ بہر حال اس کا صحیح نام سراج نظم ہے۔ اس کے دو شہودت ہیں۔ اول یہ کہ نظم سراج ایک بے معنی ترکیب ہے اور سراج نظم کے معنی ظاہر ہیں۔ دوسرا یہ کہ میرے کتب خانے میں اس شنوی کا ۱۲۴۵ھ کا چھپا ہوا جو لشکر ہے اس کے سر درق کی منظوم عبارت میں نظم سراج

نامزوں اور سراج نظم موزوں ہوتا ہے۔ وہ منظوم عبارت حسب ذیل ہے:

یُمِنٌ فِي ضِيَّ خَدَائِي سَجَالٍ سَے	عَوْنٌ خَلَاقِي جِنْ وَالسَّالِ سَے
شَنْوَى جَنَابٌ كَاملٌ فَنْ	نَاسِخٌ اُوْسْتَادٌ إِلٌ سَخْنَ
لُذُرٌ كَبِيلٌ بَيْ جِسْ کے ضَمْمُولَ کَا	نَامٌ جِسْ کَا سراج نظم ہذا
يَا تِينٌ اُسْ کی جو ہیں بہت مطبوع	يَعْنِي جو کچھ امام دیں نے کہا
نَافِعٌ خَلْقٌ بَيْ گَماں ہے یہ	کی محمد حسین نے مطبع
	سَخْنَ حَقٌّ ہی کا بیان ہے یہ

آب حیات کا تنقیدی مرطالعہ

خلط نامہ

کتابت کی جھوٹی جھوٹیں کو جھوڑ کر صرف ان خلطیوں کی تصحیح کی جاتی ہے جن سے کوئی غلط فہمی پیدا ہو سکتی ہے۔

صحیح	خلط	سلسلہ	صفحہ	سرط	صحیح	خلط	سلسلہ	حضر	صحیح
بجا کے	بجا شا	۸	۲۵	شیرانی	شردانی	۵	۷		
کہ	کے	۱	۲۶	باکمالوں	کمالوں	۱۱	۱۲		
بجا کا	بجا شا	۶	۶	بتائے ہوئے	بتائے	۱۵	۱۳		
اُس	اسی	۱۲	۱۲	بہت	بہت	۲	۱۵		
پہ اسلوب پہ	پہ اسلوب پہ	۰	۰	والوں	والوں	۱۲	۰		
محادرہ	محادرہ	۱۲	۱۲	مزہ	مزہ	۳	۱۴		
نیں	میں	۲	۲۶	اُسی	اُسی	۱۰	۱۸		
نیں	میں	۳	۰	بچھے	بچھے	۱۴	۱۹		
فرمودند	خرمودند	۱۰	۳۰	کا	کے	۹	۲۰		
یہ تذکرہ	تذکرہ	۶	۳۲	احسان	ان	۱۳	۰		
منہج	اپنا منہج	۱۳	۳۲	دکھنی اور	دکھنی یا	۳	۲۲		

صفحہ	سطر	غلط	صفحہ	سطر	غلط	صفحہ	صحیح
۲۸	۱۲	زیانش	۱۳	۷۲	زیانش	۱۳	تذکرہ قاسم قاسم
۵۰	۶	سخشن	۶	۷۴	سخشن	۶	کش کشید
۵۱	۸	زحمتہ	۹	"	زحمتہ	کمیں کسی	
"	۹	جان جاناں	۱۴	۸۰	جان جاناں	۱۴	اردو کو اردو
"	۱۰	جان جاناں	۸۳	۷	جان جاناں	۸۳	با مقصد بالقصد
۵۲	۷	پدری	۱۲	۸۲	پدری	۱۲	فخر فخر
"	۱۱	کہ	۱۲	۸۵	کی	کوئی کوئی	
"	۱۲	کہ	۱۳	۸۶	کہ یہ	چلے ہوئے چلے ہوئے	
۴۲	۱	اِغلاق	-	-	اِغلاق	۱	اِغلاق

اضافہ

۳۲۔ آخری سطر کے بعد

۳۲۔ سفیدیہ ہندی۔ از رے بھگوان داس ہندی۔ فلمی۔ کتب خانہ مشرقی ہائی

۳۳۔ آخری سطر کے بعد

راے بھگوان داس ہندی

”عاشق پیشہ بود و ہمارہ درسرش سوداے پریار خال جادا شت۔“ (سفیدیہ ہندی۔ فلمی)

۳۴۔ پہلی سطر کے بعد

راے بھگوان داس ہندی اپنے تذکرے سفیدیہ ہندی میں لکھتے ہیں: ”والدش میرزا جان نام دا

نظربراک پسرا جان جان نام نہادہ ہو، پر جان جاناں شہرت یافت۔“



